رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۶۵۰

شمس الاسلام

ماہنامہ

بھیرہ (پاکستان)

بابت ماہ ذیقعد ۱۳۷۷ھ

مطابق ماہ جون ۱۹۵۸ء

مرتبہ سید سیاح الدین کاکاخیل

تحت ادارہ

غلام حسین مدیر مسؤل | اسیر حزب الانصار بھیرہ مولانا الحاج افتخار احمد بکوی | فی روپیہ سالانہ چندہ

(پاکستان)

بیادگار عظیم ملت حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی نور اللہ مرقدہ

زیر ہدایت مولانا افتخار احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

منجانب

حزب الانصار بھیرہ

سالانہ چندہ معاونین سے -/۵ روپے
غیر ممالک سے -/۴ "

سالانہ چندہ عوام سے -/۳ روپے
طلبا سے -/۲/۸ "

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

اغراض و مقاصد: ۱۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام (۲) اصلاح رسوم باتباع شریعت اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم دینیہ،

طریق کار: (۱) جریدہ شمس الاسلام کا اجراء (۲) دار العلوم عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ (۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔ (۴) عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) کتب خانہ (۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت،

جریدہ کے قواعد و ضوابط: (۱) جریدہ ہر ماہ انگریزی کی پانچ تاریخ کو پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ کو وصول ہونے چاہئیں۔ مدیر کا مضمون نگار صاحبان کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں (۲) ارکان حزب الانصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ رکنیت کم از کم چار آنہ ماہوار یا تین روپیہ سالانہ ہے۔ (۳) عام سالانہ چندہ -/۳، معاونین سے -/۵ اور طلباء سے ۲½ روپیہ مقرر ہے۔ نمونہ کا پرچہ چار آنہ کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔ (۴) رسالہ باقاعدہ پانچ پڑتال کے بعد حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں خریدار کی طرف سے ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ (۵) جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنے چاہئیں۔ (۶) ہندوستان والے چندہ حاجی عبد المجید صاحب کمیشن ایجنٹ ۵۱ نواب مسجد سٹریٹ بمبئی (ہندوستان) کو بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام غلام حسین ایڈیٹر و منیجر شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے۔

سرخ نشان: دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے۔ کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را وی پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

غلام حسین منیجر رسالہ

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ

مرتبہ سید سیاح الدین کاکاخیل

جلد ۲۹	ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء	شمارہ ۶

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	شذرات اشتراکیت کی حقیقت سے بے خبری	ادارہ	۵
	جرائم و بداخلاقی کے اسباب و محرکات	"	۶
	انتخابات کی اہمیت اور قوم کا فریضہ	"	۸
۲	اسلام اور ہمارا قانونی نظام	عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۰
۳	اسلامی ریاست اور وطنی قومیت	مولانا امین احسن اصلاحی	۱۷
۴	امن و ایمان	مولانا محمد اسحاق سندھیلوی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۱
۵	عبرت کی باتیں	(ماخوذ)	۲۶
۶	علم حدیث	مولانا محمد اشفاق الرحمٰن کاندھلوی	۲۸
۷	حسرت (نظم)	سید عبدالرب صاحب صوفی ایم اے	۳۰

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر ثنائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا

بزمِ انصار

برادرانِ اسلام سے ایک ضروری درخواست

جامع مسجد بھیرہ میں ۱۳۴۹ھ سے علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کے لئے مدرسہ عزیزیہ نہایت باقاعدگی اور حسنِ انتظام . . . کے ساتھ جاری ہے۔ جہاں سابق پنجاب کے مختلف اضلاع کے طالبانِ علم دین جوق در جوق داخل ہو کر استفادہ کر رہے ہیں ان تمام طلباء کے مصارف خوراک و پوشاک اور اخراجات رہائش، روشنی، صفائی، ادویہ وغیرہ کی ذمہ داری مدرسہ پر ہے ادارۂ تدریس میں کامل الفن اساتذہ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ عالم اسباب میں گراں بہائی کے اس نازک زمانہ میں اس تمام نظام کو بحسن و خوبی سرانجام دینا مسلمان بھائیوں کی امداد و اعانت اور توجہ فرمائی کے بغیر مشکل ہے۔ اس لئے ارباب خیر اور نیک دل مسلمانوں کی خدمت میں یہ یاد دہانی ضروری سمجھی گئی کہ آپ ہر موقعہ پر اور خاص کر اب **عید قربان** کے موقعہ پر **دارالعلوم عزیزیہ** کی طرف بیش از بیش توجہ فرمائیں۔ اور دارالعلوم عزیزیہ کے غریب الدیار طلبہ کا بہت زیادہ اور خاص طور سے خیال رکھیں۔ ہماری پوری توقع ہے کہ ہماری یہ نیازمندانہ درخواست آپ کے دل کو اپیل کرے آپ کو آمادہ کر دے گی کہ آپ ضرور صدقات و خیرات اور چرم قربانی کی قیمت سے ہمارے اس خالص مذہبی ادارہ کی اعانت فرمائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ سابق شمالی پنجاب میں دارالعلوم عزیزیہ ایک ایسی مذہبی درس گاہ ہے جس کے چشمۂ فیض سے سینکڑوں سیراب ہو چکے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں۔ اس چشمۂ فیض کو جاری رکھنے میں آپ پوری سعی و ہمت سے کام لیں۔ اور ہر موقعہ پر ہمارا ہاتھ بٹا کر اس سعادت کو حاصل کریں

طلبِ علومِ دینیہ

قربانی کے چمڑوں اور اس کی قیمت کے بہتر مصرف ہیں۔ کہ اس میں دوہرا ثواب ہے۔ صدقہ کا اور اشاعتِ علم دین کا۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وعلی ذی الرحم اثنتان صدقۃ وصلۃ۔ طالبانِ علم دین ہی کی مدارات اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ تاکید فرمایا ہے۔ آپ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمام آدمی تمہارے تابع ہیں۔ اور اطرافِ عالم سے آدمی علم دین سیکھنے اور دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے آئیں گے۔ سو جب وہ تمہارے پاس آویں تو میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا (ترمذی)

اب دیکھنا ہے کہ مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کیسے کرتے ہیں۔

تمام رقوم مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال ہونی چاہئیں۔

افتخار احمد بگوی مہتمم دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ (پاکستان)

شذرات

اشتراکیت کی حقیقت سے بے خبری

چند روز ہوئے ایک ایسے شخص کی زبان سے اشتراکیت کی مدح وستائش اور ملک میں اس بلائے عظیم کے چھا جانے اور غلبہ پانے کی تمنا سُنی۔ جس کی ظاہری وضع وہیئت اور طرز وانداز کو دیکھ کر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس شخص کو اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور جس پر دینداری کی چھاپ لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سُننے کے بعد بڑی حیرانی ہوئی اور سوچنے لگا کہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے۔ کیا ان کی دینداری، اسلامیت اور مظاہر تقویٰ کی پابندی بالکل رسمی سی چیزیں ہیں ولما یدخل الایمان فی قلوبھم یا اشتراکیت کے بارے میں انہیں کچھ بھی علم نہیں کہ وہ کیا شئے ہوتی ہے۔ ہم طبعاً ہر معاملہ میں حُسنِ ظن سے کام لیتے ہیں اس لئے ہم نے اس شخص کی گفتگو کو بھی اس دوسری صورت پر محمول کیا۔ اور یہی فیصلہ کیا کہ اس بچارے کو حقیقت حال کا کچھ علم نہیں۔ معلوم نہیں اس کی خاص وجہ کیا ہے لیکن عموماً ہمارے ملک میں دیندار اہل علم۔ علماء دوست اور اسلام کے ساتھ خاص نسبت وتعلق کا دعویٰ رکھنے والے لاہور کا اشتراکی روزنامہ "امروز" ہی زیادہ پڑھتے ہیں۔ اور اس کے مطالعے کا ان لوگوں پر یہ غیر شعوری اثر ہوتا ہے کہ وہ اشتراکیت کی جنت سویٹ روس کے مداح وخیر خواہ بنتے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ہمدردی ان کے قلوب میں راسخ ہوتی ہے۔

پس ہمارا خیال یہ ہے۔ کہ دینی حلقوں میں بھی اشتراکیت کی اس لادین تحریک کے لئے زمین تیار ہونے اور ذہن مانوس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کمیونزم کے متعلق ان کے معلومات محض سُنے سُنائے اور سطحی ہیں۔ اور وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ کمیونزم ایک ایسا نظام ہے جو موجودہ سرمایہ داری کو ختم کر کے معاشی مساوات کی بُنیاد پر ایک اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے سوا انسانوں کے دُوسرے مسائل سے خاص کر مذہب اور مذہبیات سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

حالانکہ کمیونزم جس نظام کا نام ہے۔ وہ صرف اقتصادی اور معاشی نظام ہی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل فلسفۂ حیات (گویا ایک مستقل دین) ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کی تنظیم اپنے خالص مادہ پرستانہ نقطہ نظر سے کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو بصیرت دی ہے اور عصر حاضر کے ان اجتماعی مسائل پر غور کرنے کے قابل بنایا ہے اور انہوں نے کمیونزم اور اس کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دین حق کی حقیقت اور اس کے اصول وقواعد کو بھی اچھی طرح سمجھا ہے اور ایمان وایقان اُن کی رگ وریشہ میں رچ بس گیا ہے۔ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں شک نہیں ہو سکتا۔ کہ کمیونزم اپنی رُوح اور اپنے نظام، طریق کار اور نتائج وعواقب کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اصول حیات سے بنیادی طور پر متصادم ہے۔ اور ان دونوں میں کبھی مطابقت وموافقت ہو ہی نہیں سکتی۔ انبیاء علیہم السلام پُوری انسانی زندگی کی تنظیم اسی بُنیاد پر کرتے ہیں۔ کہ انسان اللہ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا واحد الٰہ اور اس ساری کائنات کا لاشریک مالک ہے۔ وہی حقیقی حاکم ہے اور امر ونہی اور تصرف وتدبیر کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اور اُس اللہ نے دنیا کی یہ چیزیں انسانوں کے استعمال کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور اس کے لئے قوانین اور حدود مقرر کئے ہیں۔ جن سے سرمُو تجاوز کا حق کسی کو نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے نظام حیات (الدین) کی یہ پہلی بُنیاد ہے اور دُوسری بُنیاد یہ ہے کہ یہ دُنیوی زندگی انسان

کی پوری زندگی کا ایک مختصر سا ٹکڑا ہے اصل زندگی اس دنیوی زندگی کے فنا ہونے کے بعد آنے والی ہے۔ اس لئے ہر چیز اور ہر عمل کی قدر و قیمت اس آنے والی زندگی (الآخرۃ) کے لحاظ سے ہے۔

بہرحال انبیاء علیہم السلام ان دو بنیادوں پر پوری انسانی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔ لیکن کمیونزم ان دونوں بنیادوں سے صرف بے پرواہ ہو کر نہیں بلکہ ان کی نفی پوری شدت کے ساتھ کر کے انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم و تشکیل کرتا ہے۔ الغرض کمیونزم اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے دین حق میں بنیادی تضاد ہے۔ اور کوئی واقف اور صاحب بصیرت شخص ان میں سے کسی ایک سے اتفاق دوسرے سے اختلاف اور انکار کے بغیر نہیں کر سکتا۔

پس ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سادہ لوحی کی انتہا اور کتاب صوفی و ملا کی سادہ اوراقی" ہے۔ کہ محض سرمایہ داری نظام کی مخالفت کے جوش میں اشتراکیت کو خوش آمدید کہا جائے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی ہمدردی اور دلچسپی پیدا ہو۔ اشتراکیت کے بارے میں مختصراً جن خیالات کا اظہار مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ موجودہ نظام سرمایہ داری کو ہم کسی درجے میں بھی اسلامی یا قابل برداشت سمجھتے ہیں۔ اور فاسق و فاجر جاگیرداروں اور نوابوں کو ہم یہ حق دیتے ہیں کہ وہ اسی طرح غریبوں کا خون چوستے رہیں۔ اور ملک میں اقتصادی لوٹ کھسوٹ جاری رکھیں اور فساد مچاتے رہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام

جس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ مگر اسے ختم کیا جائے خالص اسلامی نظام کے ذریعہ۔ اور بالکل انبیاء کرام علیہم السلام کے طریق کار کے مطابق۔ ایک ظلم کی جگہ دوسرا ظلم عظیم برداشت کرنا اور نظام سرمایہ داری کی جگہ کمیونزم کو لانے کی کوشش کرنا " فرّ من المطر وقام تحت المیزاب کے مصداق ہے۔

جرائم و بداخلاقی کے اسباب و محرکات

جناب ایم اے مخدومی صاحب پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور نے "نوخیز بچوں میں جرائم کے رجحان" کے عنوان کے تحت نیم سرکاری تعلیمی رسالہ "آموزش" میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اس مضمون کی بنیاد ایک خبر پر ہے جو اس سے قبل ملک کے تمام اخبارات میں بھی تبصرہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ خبر گوجرانوالہ کی ہے۔ کہ "یہاں ایک مقامی مجسٹریٹ نے دسویں جماعت کے ایک سولہ سالہ لڑکے کو چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دی ہے۔ اس لڑکے نے اپنا نام "خونی" رکھ رکھا تھا۔ ایک مقامی مل میں چوری کرنے کے بعد اس نے مالک مل کو خط لکھا تھا کہ فلاں ٹیلیفون کھمبے کے نیچے ایک ہزار روپیہ رکھ دو ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ ایک اور شخص کو اسی طرح دھمکی دے کر پانچ سو روپیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ پولیس نے جب اس لڑکے کے کمرے کی تلاشی لی۔ تو وہاں سے چوری کے اوزار کے علاوہ کچھ سستی فلمی کہانیاں اور بعض سنسنی خیز ناول مثلاً "خونی حسینہ" "ہولناک قاتل" "بڑے آدمیوں کا عشق" وغیرہ برآمد ہوئے۔

فاضل مجسٹریٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ یہ سستی مگر مہلک کتابیں ہی اس لڑکے کو جرم پر ابھارنے کا سبب بنی ہیں۔ ایک بھٹکے ہوئے نوخیز دماغ نے ان کتابوں کے ڈرامے کو زندگی کی سٹیج پر کھیلنے کی کوشش کی اور وہ اپنے آپ کو ان فلموں اور ناولوں کے ہیرو کی شکل میں دیکھنے لگا۔

جو واقعہ پیش آیا وہ بھی آپ نے پڑھ لیا فاضل مجسٹریٹ نے جو رائے دی وہ بھی آپ مطالعہ فرما چکے اور پھر ذرا چل کر دیکھئے اپنے بازاروں میں کتب فروشوں کی دکانوں پر، بک سٹالوں پر، وہاں آپ کو نظر آئیگا کہ سکولوں اور کالجوں کے صاحبزادے اور نوخیز دماغوں والے نونہال ان سستی فلمی کہانیوں اور خونیں اور جاسوسی ناولوں کو کس ذوق و شوق سے خرید رہے ہیں۔ وہی استعارہ بالکل اپنے پورے معنوں میں

درست ثابت ہو رہا ہے۔ کہ "شمع پر پروانے گر گر کر جل رہے ہیں۔"
ہزاروں ٹن کاغذ ان لغویات، خرافات، بچوں کے لئے زہر ہلاہل، اور مہلک لٹریچر کی طباعت و اشاعت پر ضائع ہو رہا ہے۔

اس کو پڑھ کر غور و تفکر میں ڈوبنے اور حل سوچنے کے بعد ایک اور خبر پڑھ لیجئے۔

"بچوں کو اغوا کرنے والی ایک پارٹی گرفتار کی گئی ہے۔ اس پارٹی کے ارکان میں دو عورتیں عزیزہ بیگم اور رشیدہ بیگم بھی ہیں۔ رشیدہ بیگم نے اپنے متعلق یہ بیان دیا ہے۔ کہ وہ راولپنڈی کے ایک وکیل کی لڑکی ہے اسے سکول کی تعلیم کے زمانہ میں کثرت سے فلم دیکھنے اور فلم ایکٹرسوں کی شاہانہ زندگی کے متعلق باتیں سنتے سنتے اس کے دل میں فلم ایکٹرس بننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ عنایت نامی ایک شخص نے اسے فلم میں کام دلانے کا وعدہ کیا اور وہ اس کے ساتھ گھر سے نکل گئی۔ اور اس شخص نے اسے ایک آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یکے بعد دیگرے اسے گیارہ مرتبہ فروخت کیا گیا۔ اور اس طرح اس کے لئے طوائف بن جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ رشیدہ نے بتایا۔ کہ جو لڑکیاں اغوا کر کے لائی جاتی ہیں۔ انہیں طوائف بننے کی تربیت دینے کا کام اس کے سپرد تھا۔ رشیدہ بیگم نے بتایا کہ اس کے گروہ کے ارکان زیادہ تر ملتان، گوجرانوالہ، لاہور، راولپنڈی اور لائل پور کے اضلاع سے لڑکیاں اور بچے اغوا کرتے ہیں۔"

(تسنیم ۳۰ مئی ۱۹۵۸ء)

سکول کی تعلیم کے زمانہ میں فلم دیکھنے کا انجام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہی ہونا تھا۔ اسی انجام بد کا نام مغرب سے درآمد کئے ہوئے فلسفۂ حیات کی اصطلاح میں ترقی قوم اور ترقی نسوان ہے اور ہمارے بچوں اور بچیوں کو ترقی کے ان زینوں پر چڑھانے کے لئے آرٹ اور کلچر کے نام سے سرکاری سکیمیں مرتب ہو رہی ہیں۔ اور قومی بجٹ میں لاکھوں روپیہ اس آرٹ کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے

بہتر ہوگا کہ آپ اس موقع پر کراچی کی ایک خبر پر مدیر صدق لکھنؤ کا ایک مختصر مگر کارگر تبصرہ بھی پڑھ لیں۔

"کراچی کی ایک خبر ——— مرکزی حکومت پاکستان نے بلبل اکیڈمی کو پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی امداد دینے کی منظوری دے دی ہے۔ یہ رقم ثقافت (کلچر) اور فنون لطیفہ کی ترویج و اشاعت پر صرف ہوا کرے گی۔ یہ ادارہ ملک میں اپنی طرز کا واحد ادارہ ہے جس میں رقص اور موسیقی کی تعلیم باقاعدگی سے دی جاتی ہے۔"

اور یہ عین اس وقت جب چیزوں کی گرانی ہے اور ٹیکس کے بوجھ سے سارا ملک تڑپ رہا ہے۔ یہ اکیڈمی وہی ہے جسے تین لاکھ سے اوپر کی سالانہ امداد پہلے ہی سے مشرقی پاکستان کی سرکار سے مل رہی ہے۔ آرٹ کے بعد کلچر (ثقافت) کا لفظ خوب پردہ پوش اور کتنا وسیع ہاتھ آگیا ہے۔ بس یہ نقاب چہرہ پر ڈال لیجئے۔ اور اس کے بعد فسق و فجور، رنڈی و اوباشی کے جتنے درجے بھی چاہئے بے کھٹکے طے کرتے رہیں۔ بھانڈوں، بھگتیوں کے ہر طائفہ یا منڈل کا نام اکیڈمی رکھ کر اسے اکرام و اعزاز سے لادتے چلے جائیے۔"

(تسنیم ۱۶ مئی بحوالہ صدق جدید لکھنؤ)

تجربات و واقعات، اور دین و دانش کی روشنی میں ہم پورے یقین و وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں بہت سی بداخلاقیوں، اور جرائم کی سب سے بڑی وجہ سینماؤں کا وجود ہے یہ کہنا کہ یہ تفریح گاہیں ہیں بلکہ یہ مجرموں کی تربیت گاہیں ہیں، بداخلاقیوں کے مراکز ہیں اور یہی عمارات دین و اخلاق اور شرافت و حیاداری کے مقتل ہیں۔ جو لوگ اس ملک میں ان کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی آبادیوں میں نئے نئے سینما تعمیر کرتے ہیں یا اجازت دیتے ہیں وہ درحقیقت قوم کے دشمن اور قومی اخلاق کو تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مگر جب ہم یہ بات کرتے ہیں تو فوراً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تنگ نظر ملا اور ترقی ملک کے دشمن ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان حضرات کے سامنے "امریکہ کے ایک مفتی" کا فتویٰ پیش کیا جائے۔ کیونکہ نہ وہ ملا

ہے نہ صوفی۔ بلکہ ایک مسٹر ہے۔

" ایک امریکن مدبر مسٹر جے ایگر ہوور جن کی رائے مغربی ممالک میں بڑی قیمتی سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ کہ موجودہ دور میں جرائم کی ترقی کے لئے سینما اور ٹیلی ویژن ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے ایف بی ایل بلیٹن میں لکھا ہے۔ میرا فرض ہے۔ کہ دنیا کو ایک بہت بڑے خطرے سے آگاہ کر دوں۔ یہ جو بچوں میں جرائم کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اس کا بنیادی سبب سینما اور ٹیلی ویژن کا سیلاب ہے۔ یہ سیلاب بد ذوقی اور قانون شکنی کو جنم دے رہا ہے۔ سینما کی چکی نے اخلاقی قدروں کو پیس ڈالا ہے اور تشدد کو ابھارا ہے۔ یہ ایک زہر ہے۔ جو نوجوانوں کے دماغوں کو متاثر کر رہا ہے۔ تسنیم ۱۹ مئی ۵۸ء)

انتخابات کی اہمیت اور قوم کا فریضہ

جمہوریت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی ملک کے باشندے کشت و خون اور مار دھاڑ کے بغیر حکومت کو اپنی پسند کے مطابق بدل سکتے ہیں۔ اور انقلاب قیادت برپا کر سکتے ہیں۔ اور اس انقلاب کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ انتخابات کے موقع پر اُن لوگوں کو محض ووٹ کی طاقت سے ہٹا دیا جاتا ہے جن کے کردار، طریق کار اور پالیسی سے قوم مطمئن نہ ہو اور اُن افراد اور جماعتوں کو آگے لا کر برسر اقتدار بنا دیا جاتا ہے جن کے بارے میں قوم مطمئن ہو اور اُن پر اعتماد رکھتی ہو۔ آزاد ہو جانے کے بعد سے لے کر اب تک قریباً گیارہ برس کا عرصہ گذر گیا۔ مگر ہمارے ملک میں ابھی تک قیادت اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہی جن پر اعتماد کر کے انگریزوں نے یہاں سے جاتے وقت حکومت سپرد کر دی تھی۔ یہ درحقیقت ایک خاص ذہنیت رکھنے والے اور خاص قسم کی تربیت پائے ہوئے گروہ کا اقتدار تھا۔ اس گروہ کے مختلف افراد نے مختلف سیاسی جماعتوں کے نام سے محض ذاتی اغراض کے حصول کے لئے اور جاہ و منصب اور مال و دولت کے عشق میں مبتلا ہو کر حکومت کی کرسیوں پر قبضہ جمائے رکھا۔ اس گیارہ سال کے عرصہ میں قوم پر جو جو مصیبتیں گذریں اور عام باشندگان ملک کو ہر لحاظ سے جس طرح دکھ درد پہنچا وہ ایک خونچکاں اور طویل داستان ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس اسلام کا نام لے کر پاکستان حاصل کیا گیا تھا اُس کے ساتھ پوری بے وفائی برتی گئی۔ اور اس کے تقاضوں کو زندگی کے ہر میدان میں خوب پامال کر دیا گیا۔ زور دار مطالبات و احتجاجات کے بعد قرارداد مقاصد منظور کر دی گئی۔ پھر طویل کشمکش اور بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد بصد مشکل ایک نیم اسلامی دستور مرتب کیا گیا اور اُسے منظوری دے دی گئی۔ نفاذ دستور کے بعد بھی دو سال گذر گئے اور تیسرا گذر رہا ہے۔ مگر نہ اب تک آزادانہ انتخابات کئے گئے اور نہ اسلامی قوانین کی ترتیب کے لئے لا کمیشن نے کچھ ذرہ بھر کام کیا۔ اب کہا جا رہا ہے کہ نومبر میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے۔ عام طور سے یہی سمجھا جا رہا ہے کہ ملک کے سارے دکھ درد اور قوم کی ساری بیماریاں انتخابات کے شربت شفا سے دور ہو سکیں گے۔ لیکن یاروں نے اس شربت میں مخلوط انتخاب کا ایسا زہر ملا دیا ہے کہ اب قوم حیران ہے۔ شربت نہ پیا جائے تو مرض کی جڑیں اس قدر مضبوط ہو چکی ہیں اور تکلیفیں اتنی بڑھ گئی ہیں۔ کہ اُن کی وجہ سے قوم کا مرد بیمار جاں بہ لب ہو رہا ہے اور اگر یہی مخلوط شربت پلایا جائے تو یہ زہر رگ و ریشہ میں اثر انداز ہونے والا ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے زہریلے شربت سے وہ سابقہ بیماریاں دور بھی ہو سکیں گی یا نہیں۔ بلکہ اندیشہ ہے۔ کہ یہی زہر اپنے اثرات بد پھیلا کر مریض کا خاتمہ نہ کر دے۔ مگر بہر حال اب خستہ جان مریض کی حالت یہی ہونے لگی ہے کہ وہ چار و ناچار، زہر کے خطرات اور اندیشوں کے باوجود اس زہریلے پیالے کو نوش جان کرنے کے لئے تیار ہے۔

ہمارے ارباب اقتدار و اختیار وعدے تو کرتے رہتے ہیں (اگرچہ ان وعدوں پر زیادہ اعتبار کرنے کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے) کہ انتخابات جلد از جلد ہوں گے۔ ہزاروں مصیبتوں کے برداشت کرنے اور اپنے موجودہ لیڈروں کو آزمانے کے بعد ایک آزاد و خود مختار قوم

کی حیثیت سے اپنی قیادت خود منتخب کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ اور قوم کے سیاسی شعور، اور نیک و بد کے پہچان کی اہلیت کا یہ ایک امتحان ہوگا۔ اگر آپ یہ سمجھنا چاہتے ہوں کہ ان ملکی انتخابات کی حیثیت شرعی اور دینی اصطلاحات کے مطابق کیا ہے تو یہ یقین کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو قرآن مجید میں شہادتِ حق، اور ادائے امانت، اور شفاعتِ حسنہ کے عنوان سے بڑی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جس شخص کو آپ اپنی طرف سے ووٹ دے رہے ہیں گویا آپ علے رؤس الاشہاد تمام دُنیا کے سامنے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ میرے علم میں یہ شخص صوبائی یا مرکزی اسمبلی کے رُکن بن جانے کا اہل ہے۔ اور یہ وہاں جا کر دستورِ اسلامی کے تقاضوں کو پُورا کریگا۔ اور اس دستور کے مطابق قانون سازی کر کے ایک ایسا نظام حکومت چلائے گا جس میں سراسر خیر و صلاح ہی ہوگا۔ ملک کو داخلی اور خارجی حیثیات سے استحکام نصیب ہوگا۔ قوم مطمئن ہو جائے گی اور خدا کی اس سرزمین میں خدا کا قانون نافذ اور جاری ہوگا۔ اب اگر آپ نے ووٹ ایک ایسے شخص کو دیا ہے جس میں مذکورہ بالا اوصاف پائے نہیں جاتے تو پھر آپ کی یہ گواہی شہادتِ باطل اور شہادتِ زور ہے۔ اور اس طرح ایک اہل شخص کو ووٹ نہ دے کر آپ نے کتمان شہادت کا جُرم کیا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ یعنی حق کی شہادت چھپانے والا شخص اتنا بڑا مجرم ہے کہ گویا اُس کا قلب جو مرکزِ نورِ ایمان ہے وہ گناہ کے زنگ سے آلودہ ہو گیا۔ اور قلب کی خرابی تمام جسدِ انسانی کی خرابی ہے۔ اسی طرح ووٹ کی وہ پرچی ایک بہت ہی طاقت ور اور کارگر آلہ و اسلحہ ہے جو آپ کے پاس ایک قومی امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ اور قرآن مجید کی رُو سے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ امانت اُن کے حوالہ کیا کرو جو اس کے اہل ہوں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا یعنی اللہ تعالےٰ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اُن کو پہنچا دیا کرو۔ جو اُن کے اہل اور مستحق ہیں۔ اور حدیث میں جناب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے امانت کے ضائع کرنے کے بارے میں مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اِذَا اُوسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ۔ یعنی امانت کا ضائع کرنا یہ ہے کہ معاملہ کسی ایسے شخص کے حوالہ کر دیا جائے جو اس کام کو نبھانے اور سرانجام دینے کا اہل نہ ہو۔ تو انتخابات کے موقع پر جو کوئی محض وقتی مفاد اور عارضی اغراض کی خاطر ایک ایسے شخص کو ووٹ دے دے جو اس کا اہل نہیں تو اُس نے ادائے امانت میں کوتاہی کی۔ خیانت کا ارتکاب کیا۔ اور امانت ضائع کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ خائنین کو اور امانت ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ نیز اس ووٹ دینے کی حیثیت شفاعت (سفارش) کی بھی ہے۔ اگر کسی کام کے لئے ایک ایسے شخص کی سفارش کی جائے جس سے یہ پُوری توقع ہو کہ یہ شخص وُہ کام بہ حسن و خوبی سرانجام دے سکے گا۔ اور اس سے فوائد و منافع حاصل ہوں گے تو اس کی سفارش شفاعت حسنہ ہے اور اگر ایک ایسے شخص کی سفارش کی جائے جس کے بارے میں تجربہ سے ثابت ہے کہ وُہ یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وُہ ہے بگاڑ کر رکھ دیگا۔ اور اس کے ہاتھ پڑنے سے اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی تو اس کی سفارش شفاعت سیئہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کی شفاعت کے لئے اجر و ثواب، اور دُوسری قسم کے لئے سزا و وبال کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر کوئی مسلمان آج ووٹ کی ان تینوں حیثیتوں کو سمجھے اور اس کو موجودہ جمہوری دَور میں ووٹ کی قدر و قیمت کا پُورا پُورا اندازہ ہو جائے تو پھر ناممکن ہے کہ وُہ چند روپوں کے عوض یا کسی وقتی فائدہ کی خاطر، یا ذات برادری کے تعصب کی بنا پر نااہل کو ووٹ دینے کے جُرم کا ارتکاب کر کے دُنیا کی بربادی کے ساتھ اپنے لئے آخرت کی تباہی کا بھی سامان کرے۔ اس لئے ہمارے خیال میں بہت بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ عام مسلمانوں کے سامنے انتخابات کی اہمیت اچھی طرح واضح کی جائے۔

آج کل مُلک میں مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈر تقریریں کرتے پھرتے ہیں اور اپنے لئے زمین ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ تعیین کے ساتھ مسلمانوں کو مشورہ دے

سکیں۔ کہ وُہ کن کن افراد کو اپنی اور ملک و ملت کی بھلائی کی خاطر منتخب کریں۔ کیونکہ ابھی نہیں معلوم کہ کونسے حضرات اس میدان میں اُترنے والے ہیں۔ یا کن کو میدان میں اُترنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ البتہ ایک اصولی بات سمجھا سکتے ہیں اور سمجھانا ضروری بھی ہے۔ کہ "آزمودہ را آزمودن جہل است" اور لا یلدغ المؤمن من جحر واحد حدیث کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاسکتا کے مطابق یہ ہماری قطعی رائے ہے کہ جن جماعتوں اور جن افراد نے گیارہ برس کے اس طویل عرصے میں ملک کو ہر لحاظ سے نقصان پہنچایا اور محض اپنی اور اپنے خاندانوں اور دوستوں کی پرورش کی، سیاسی، اقتصادی، اسلامی اور دستوری اعتبار سے ملک کو ترقی دینے کی بجائے ملک و قوم کو بدنام کیا اُن کو تو بہرحال اس میدان سے ہٹانا ضروری ہے۔ نیز کچھ جماعتیں اور اُن کے نمایاں افراد وُہ بھی ہیں جو پاکستان کے اصل نظریہ اور مسلمانوں کی آزاد خالص اسلامی ریاست کی حیثیت سے ملک کی سالمیت و بقا کے دشمن ہیں۔ اور جن کا قبلہ یا تو ماسکو ہے یا وُہ پاکستان میں مقیم ہندوؤں کے ووٹوں کے حاصل کرنے کے لئے اُن کی ہر ناجائز طریقے سے ناز برداری کرنے والے ہیں۔ ایسی جماعتوں اور ایسے لیڈروں کے بارے میں تو خاص طور سے ہوشیار ہونا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وقتی دل خوش کن نعروں اور معاشی جنت کے دلفریب وعدوں سے ناواقف حضرات کو وُہ دھوکہ دے جائیں۔ اور اس طرح پاکستان کے اصل وجود ہی کو خطرہ میں ڈال دیا جائے۔ نیشنل پارٹی اور عوامی لیگ اور ان دونوں جماعتوں کے بڑے بڑے لیڈر بالکل اسی ذہنیت کے لوگ ہیں۔ اور ان کا وجود اس ملک کے لئے مستقل خطرہ ہے۔ اور یہ بالکل اظہر من الشمس ہے کہ ان لوگوں کو اگر کچھ تھوڑی سی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس کے نتیجے میں دستور سے اسلامی دفعات فوراً ہی نکال دئے جائیں گے۔ اور ملک کو ایک خالص لادین ریاست بنانے کی اور آخر کار صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوششیں شروع ہو جائیں گی۔ اس لئے ہم تمام مسلمانوں کی خدمت میں یہی عرض کریں گے۔ کہ اصولی طور پر اس قسم کی تمام جماعتوں کے تعاون سے تو بالکلیہ اجتناب کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد دُوسری جماعتوں میں سے بھی خاص طور سے اُن جماعتوں کی حمایت کا فیصلہ کیا جائے جن کا ماضی اخلاقی و کردار کے لحاظ سے داغدار نہیں۔ یا جن کو ابھی تک آزمایا نہیں گیا۔ اور اُن جماعتوں کے نام پر میدان میں آنے والے افراد کے بارے میں بھی یہ تسلی حاصل کرنا ضروری ہے۔ کہ وُہ خود ذاتی طور پر کس کردار کے مالک ہیں۔ اب تک اُن کی زندگی کیسے گذری ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا و رسُول کے قانون پر عملاً وُہ کاربند رہے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جو خدا و رسُول کا وفادار نہ ہو اُس سے اور کسی وفاداری کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ الغرض معاملہ بہت اہم ہے۔ پہلی قیادت کو یکسر بدلنے اور نئی قیادت اُبھار کر لانے کی بُنیادی کوشش کرنے کا موقع آنے والا ہے۔ اس لئے بہت ہی حزم و احتیاط اور متنبہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے تمام مسلمانوں کو اس موقع پر صحیح فیصلہ اور جُرات مندانہ اقدام کی توفیق عنایت فرمائے۔

ان انتخابات کی اہمیت محض ملکی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ مذہبی اعتبار سے ان کی بہت کچھ اہمیت ہے۔ ہمارے موجودہ دستور میں اسلامی اعتبار سے بہت خامیاں باقی رہ گئی ہیں۔ دستور بناتے وقت ہماری موجودہ مرکزی اسمبلی کے بعض مسلمان ارکان نے اسلامی دفعات کی شدید مخالفت کی تھی، اور کوشش کرتے رہے۔ کہ اس دستور میں اسلام کسی طرح نہ آسکے۔ جو ضمناً اسلامی دفعات دستور میں موجود ہیں۔ ان کو بعض باہمت ارکان نے بڑی سعی و جدوجہد کے بعد داخل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اب وہی لوگ جو اس وقت اسلامی دفعات کے مخالف تھے۔ ہر ممکن تدبیر سے آئندہ انتخابات میں پھر کامیاب ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچنا چاہتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا۔ کہ وہ ⅔ اکثریت حاصل کر کے دستور سے ان اسلامی دفعات کو بالکل خارج کر دیں۔ (باقی صفحہ ۱۶ پر)

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ)

(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمت اسلامیہ کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ حکام کی اطاعت صرف احکام الٰہی کے تحت جائز ہے۔ فقہا و مجتہدین کا اس بارے میں کوئی اتفاق ہے۔ کہ اصل حاکم اور صاحب امر صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس بارے میں قطعی طور پر کوئی قولی یا اعتقادی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں بھی کُلی اجماع ہے کہ جن امور کی حرمت متفق علیہ ہے۔ انہیں حلال اور جائز سمجھنا کفر و ارتداد ہے۔ چنانچہ جو شخص مثلاً زنا یا شراب کو حلال سمجھتا ہے یا اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کو امر و نہی کا مطلق مجاز اور مختار سمجھتا ہے اس کا ایسا سمجھنا صریح کفر ہے۔ اسی طرح جو حاکم صریح کفر و ارتداد کا مرتکب ہوتا ہے اس کے خلاف خروج واجب ہے۔ اور اس خروج کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اُس حاکم کے اُن اوامر و نواہی کی مخالفت کی جائے۔ جو اسلام سے ٹکراتے ہوں۔

اسلام کے اصول و مبادی کے لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو ریاست کے کارفرماؤں کو قانون سازی کے غیر محدود اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ اُن کے لئے قانون سازی کا حق صرف دو حیثیتوں سے تسلیم کیا جا سکتا ہے اوّل یہ کہ وہ تنفیذی قوانین وضع کریں یعنی شریعت کے احکام و نصوص کے نفاذ کیلئے قواعد و ضوابط اور ان کی عملی صورتیں متعین کریں۔ دوسرے یہ کہ وہ تنظیمی نوعیت کے قوانین بنائیں۔ یعنی اس طرح کے قوانین کی تشکیل کریں جو اسلامی معاشرے کے نظم کو برقرار رکھنے اور اس کی اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ یہ دوسری قسم کی قانون سازی اُسی دائرے میں عمل پذیر ہوتی ہے جس میں نصوص شرعیہ خاموش ہیں۔ قسم دوم کے قوانین کے بارے میں شبہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی تشکیل پر کوئی حد بندی نہ ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نوعیت کی قانون سازی میں بھی ہمیں مطلق اور کُلی اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں۔ بلکہ اس طرح کے قوانین بناتے وقت بھی شریعت کی رُوح اور اس کے اصول عامہ کو ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھنا پڑتا ہے اور انہی کی روشنی میں تنظیمی قوانین کا اجراء عمل میں لانا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو دونوں قسم کی قانون سازی حدود اللہ کے اندر مقید ہے۔ ہمارے حکمران اور مقننین ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اور دوسری طرف وہ جماعت اسلامیہ کے نائب اور نمائندہ ہیں۔ خلیفۂ رسول ہونے کی حیثیت سے اُن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کتاب و سنت سے سرمو انحراف کریں۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے بھی اُن کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی مسلک اور نظریات کی خلاف ورزی کریں۔ انہیں رسول کی جانشینی اور مسلمانوں کی نیابت کا منصب اس لئے سونپا گیا ہے کہ وہ دین کے قیام کے لئے جد و جہد کریں نہ یہ کہ وہ دین کے انہدام کے درپے ہوں۔

مسلمانوں کے دستور کی اساس شریعت ہے۔ اس لئے جو قانون اس کے مطابق ہوگا وہ جائز ہوگا۔ اور جو اس کے خلاف ہوگا وہ باطل ہوگا۔ شریعت اس وقت تک واجب الاتباع ہے جب تک اسے منسوخ نہ کر دیا جائے۔ لیکن اللہ کی ایک کتاب کو اللہ کی دوسری کتاب ہی منسوخ کر سکتی ہے۔ اور ایک رسول کی سنت ہی دوسرے

رسول کی سنت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ کتب و رسل کا سلسلہ اب بند ہو چکا ہے۔ اس لئے قوانین شرعیہ میں ترمیم و تنسیخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی انسانی قوانین شرعی قوانین کی جگہ لے سکتے ہیں۔

مصری قوانین کا بطلان

عام انسانی قوانین کے عدم جواز کے وجوہ تو بیان ہو چکے ہیں۔ مگر مصری قوانین کے باطل ہونے کے مزید وجوہ بھی موجود ہیں۔ ان کے بطلان کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان قوانین کی اکثریت خود مصری دستور کی مخالف ہے۔ مصری دستور میں یہ دفعہ ابتداء ہی میں ثبت کی گئی ہے کہ ریاست کا رسمی اور سرکاری دین اسلام ہے[1] (دین الدولۃ الرسمی ھو الاسلام) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے قانونی نظام کا دستوری سنگِ بنیاد اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ جس سے سارے قوانین کی تخریج کی جائے گی اور یہی ایک منبع و مرجع ہے جہاں سے قانون بناتے وقت رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ حقیقت میں یہ دستوری دفعہ ہماری سیاست ہماری معاشرت اور ہماری داخلی اور خارجی پالیسی سے متعلق قوانین پر ایک قید لگا دیتی ہے۔ ہم شریعتِ اسلامیہ کے عائد کردہ حدود و قیود سے باہر اور اس کی روح کے خلاف کوئی قانون سازی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ اس لئے ایک مصری پر از روئے دستور بھی لازم ہے۔ کہ وہ سارے غیر اسلامی قوانین کو باطل سمجھے۔ کیونکہ وہ خلاف دستور ہیں۔ وضعی قانون ہمیشہ دستوری قانون کے تابع ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں میں تخالف ہو تو اول الذکر کو آخر الذکر کی روشنی میں کالعدم اور باطل قرار دینا ضروری ہوتا ہے۔ مصری عدالتیں ایسے قوانین کو باطل قرار دیتی رہی ہیں، چنانچہ مصر کی عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ ۱۹۵۵ء میں تحریر کیا ہے۔ کہ دستور کے مبادی میں سے کسی اصل مبدأ کو اگر کسی قانون میں نظر انداز کر دیا جائے تو وہ قانون خلاف دستور ہے۔ اس فیصلے کی رو سے مجلس الدولہ کا وضع کردہ ایک قانون باطل قرار دیا گیا تھا۔ دستور کی بالادستی اور قانون کے استحکام کے لئے بہترین ضمانت یہ ہے۔ کہ قانون سازی میں ہمیشہ دستوری حدود کو ملحوظ رکھا جائے۔ عدالتوں کو بھی یہ پورا حق حاصل ہے کہ وہ قانون کی صحیح تعبیر و تنقید کریں۔ اور قوانین میں تعارض کی صورت میں فیصلہ کریں۔ کہ کونسا قانون دستور کے مطابق ہے۔ اور کونسا مخالف بلکہ عدالتوں پر یہ لازم ہے۔ کہ اگر کوئی قانون دستور سے متصادم ہو۔ تو وہ اسے باطل قرار دیں۔ اور اس پر دستور کا غلبہ تسلیم کریں۔ کیونکہ دستور قانون اعلیٰ ہے۔ اور عام قانون پر اسے اتباع کے لحاظ سے فوقیت اور ترجیح حاصل ہے[2]۔

قوانین عامہ کے بارے میں ایک مسلّم اصول یہ بھی ہے۔ کہ جو قوانین اس نوعیت کے ہوں۔ کہ وہ قانون کے معروف تصورات کے خلاف پڑتے ہوں۔ ان کی ایسی تعبیر کرنی چاہیئے۔ جو قانون کے بنیادی مقصد اور منشاء کے مخالف نہ ہو۔ چنانچہ امت مسلمہ کے بارے میں جب یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ وہ اسلام کے دائرے سے باہر قدم نہیں رکھ

---

[1] یہ بھی اس وقت کی بات ہے۔ جب کرنل ناصر آمر مطلق بن کر مصر کے حاکم نہیں بنے تھے۔ عبدالقادر شہید اس وقت کی حالت پر تبصرہ فرماتے ہیں۔ کرنل ناصر نے تو مسلط ہو کر دستور سے اسلام کے نام تک کو اڑا دیا۔ اب نہ دستور اسلام رہا۔ اور نہ قانونِ اسلام باقی رہنے دیا۔ اور نہ نام کا — فالی اللہ المشتکیٰ (مرتب)

[2] مملکت پاکستان کے دستور میں بھی کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی کو ناجائز قرار دیا گیا۔ اور بہت سی دفعات اور دستوری اصول کی بنا پر یہاں کا دستور اسلامی ہے۔ اس لئے یہاں کی قانون سازی بھی اس دستور کی پابند ہے۔ لہٰذا "مصری قوانین کا بطلان" کے عنوان سے جو کچھ مصر کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کو بعینہٖ پاکستان پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کرام اس مضمون کو اس حیثیت سے مطالعہ فرمائیں۔ گویا یہ پاکستان کے دستور اور یہاں کے قوانین اور یہاں کی قانون سازی پر تبصرہ ہو رہا ہے (مرتب)

سکتی۔ تو اجنبی قوانین کے معاملے میں یہ ضروری ہوگا۔ کہ انہیں بلادِ اسلامیہ میں نافذ کرنے سے پہلے ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور ان میں سے غیر اسلامی اجزاء کو حذف کیا جائے۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ کہ جو مغربی قوانین ہمارے ہاں رائج کئے گئے ہیں کس طرح وہ قانون کے بنیادی فریضے کی ادائیگی میں ناکام رہے ہیں۔ اور کس طرح وہ قانون کے معروف اصولوں سے متصادم ہیں پس اس لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے۔ تو یہ امر لازم آتا ہے کہ ان مغربی قوانین کے غیر اسلامی پہلوؤں کو نفاذ کے وقت ترک کر دیا جائے۔ اور انہیں بلا ترمیم و تنسیخ جوں کا توں اختیار نہ کیا جائے۔

مغربی قوانین کے اثرات

یہ قوانین دراصل ایسے ممالک کے لیئے وضع کئے گئے ہیں۔ جن کا ماحول ہمارے ماحول سے الگ ہے۔ وہاں کے باشندگان سے ہمارا اتفاق کم اور اختلاف زیادہ ہے۔ ان قوانین میں خیر بھی ہے۔ اور شر بھی ان کے بعض اجزاء ہمارے عقائد کے موافق ہیں۔ اور بعض مخالف ہیں۔ بعض ہمارے اخلاق و عادات کے مطابق ہیں۔ اور بعض نہیں ہیں۔ ان کے کچھ حصوں کو ہمارا قلب و ضمیر قبول کرتا ہے اور کچھ حصوں سے نفرت اور ابا کرتا ہے۔ ان قوانین نے ہمارے افکار کو فاسد کر دیا ہے۔ ہمارے ذہنوں کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ہمارے دلوں کو مسخ کر دیا ہے۔ اور ہماری زندگی کو بگاڑ دیا ہے۔ انہوں نے ہماری صفوں میں انتشار برپا کر دیا ہے۔ ہمارے قلوب کو رنج والم سے بھر دیا ہے۔ اور ہمارے سینوں میں تلخی کا بیج بو دیا ہے۔ ان قوانین نے ہمارے اندر عجیب و غریب منفق اور خطرناک قسم کا تضاد اور اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ ہم بہ یک وقت ایک چیز کو حلال بھی قرار دیتے ہیں۔ اور اسے حرام بھی سمجھتے ہیں۔ ہم ایک عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے خلاف عمل بھی کرتے ہیں۔ یہ تناقض اور تضاد ہماری زندگی کے ہر معاملے میں پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ اہم ہو۔ یا غیر اہم۔

مصر کی حیثیت

مثال کے طور پر مصر ہی کو لیجئے۔ یہ ملک اسلام کے ہر اجتماعی شعبے میں مسلم ممالک کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جب ہم اسلام کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ تو ہمارے لیئے ضروری ہوگا۔ کہ ہم زندگی کے ہر گوشے پر نگاہ ڈالیں۔ کیونکہ اسلام زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور اس طرح سے ہمیں آخرت کی کامیاب اور بابرکت زندگی سے ہمکنار کرتا ہے۔ ہماری حکومت، سیاست، معیشت اور معاشرت اگر اسلام کے اصولوں پر کاربند ہو۔ تو یہ سب ویسی ہی عبادت ہے۔ جیسی عبادت نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ ہے۔ اب ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مصر عالمِ اسلام کا دل و دماغ ہے۔ دین اسلام اپنے اوّلین عہد میں آکر اس ملک میں مکیں ہوا ہے۔ تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گذرا۔ جب مصر اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلام سے مشرف ہوا۔ یہاں کے رہنے والوں نے اسلام کی دعوت پر اس طرح لبیک کہا۔ کہ اب اس ملک میں سارے غیر مسلم پانچ فیصد سے زائد نہیں ہیں۔ اسی مصر میں جامعۃ ازھر ہے۔ جو دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اور قدیم ترین درسگاہ ہے۔ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کے لئے مخصوص ہے۔ ساری دنیا سے تشنگانِ علم یہاں کا قصد کرتے ہیں۔ اور اسلامی علوم و معارف سے سیراب ہو کر اپنے اپنے ملکوں کو واپس لوٹتے ہیں۔ تاکہ اپنے علمی سرمائے سے اپنے ہم وطنوں کو مستفید کریں۔ مدت ہائے دراز سے یہ ملک اسلام کا قبہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ یہی ملک ہے۔ جس نے صلیبیوں اور تاتاریوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ جو ہمیشہ سے صیہونیت اور استعمار سے برسرِ پیکار رہا ہے۔ یہی ملک ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے دین کے دشمنوں کے مکر و فریب اور ان کی چالوں کو ہمیشہ ناکام بنایا ہے۔ یہ ملک ہر زمانے میں اسلام کا ماویٰ اور ملجأ علماء مصلحین کا قبلہ اور دین کے مظلوم مجاہدین کی پناہ گاہ رہا ہے پہلے زمانے میں بھی احیائے اسلام کے لیے تحریکیں یہیں سے برپا ہوتی رہی ہیں

اس زمانے میں بھی اس ملک سے ایک اسلامی تحریک اٹھی ہے۔ جو تجدید دین کی قوی ترین اور عظیم ترین انقلابی تحریک ہے۔ یہ مصر سے نکلی ہے۔ اور تمام بلاد اسلامیہ میں پھیل گئی ہے۔ اس نے ان ممالک کے اسلامی عناصر کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی ایک ایسی نسل تیار کر دی ہے۔ جس کا نصب العین اور لائحہ عمل ایک ہے۔ اور جو ایک ہی قبلۂ مقصود کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ قرآن جس کا دستور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پیشوا ہیں۔ اور شہادت فی سبیل اللہ جس کی دلی تمنا ہے۔ خدا کی قسم مومنین میں سے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے سچ کر دکھایا ہے۔ اپنے وعدے کو۔ جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہے۔ جس نے اپنی نذر پیش کر دی ہے۔ اور کوئی ایسا ہے۔ جو ابھی منتظر ہے۔ اور انہوں نے (اپنے وعدے میں) کوئی تبدیلی نہیں کی[1]

مصر نے عہد قدیم اور عہد جدید میں اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور اس میں جو اسلامی فضا موجود رہی ہے۔ اس وجہ سے یہ ملک مسلمانوں کی دینی تمناؤں کی آماجگاہ بنا رہا ہے۔ اس ملک نے ہمیشہ اسلام کی مدافعت اور دنیا بھر میں اس کی اشاعت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ آج بھی یہاں کے لوگ اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے سربکف ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ

اب دوسری طرف آپ دیکھئے۔ کہ یہی مصر جو اسلام کی خدمت اور محافظت کا مدعی ہے۔ یہ یورپین اقوام کو اپنا کر اسلام سے کیا معاملہ کر رہا ہے۔ یہ جدید قوانین اس نے فرانس سے مستعار لئے ہیں۔ جو الحاد اور بے دینی کا گڑھ ہے۔ یا انگلستان سے لئے ہیں۔ جو رات دن اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہے۔ یا پھر اٹلی سے لئے ہیں۔ جس کی ساری تاریخ اسلام کے خلاف ناکام جدوجہد میں گزری ہے۔ یہ قوانین ایسی غیر مسلم اقوام سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جو مسیحیت کی مدعی تو ہیں مگر حضرت مسیحؑ کی تعلیمات سے بالکل عاری ہیں۔ جو رسالت مسیحؑ پر ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتی ہیں۔ مگر درحقیقت شرک، کفر اور طغیان پر اپنی پوری حیات اجتماعی کو تعمیر کئے ہوئے ہیں۔ مصر ایک مسلمانوں کا ملک ہے۔ اور ایک مسلمان حکمران اس میں حکومت کر رہا ہے۔ ریاست کا سرکاری دین اسلام ہے۔ ریاست کے فرائض میں یہ شامل ہے۔ کہ وہ شعائر اسلامی کی سرپرستی کرے۔ معابد و اوقاف کی نگہبانی کرے اور اسلامی تعلیم و تہذیب کو زندہ رکھے۔ ریاست پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے۔ کہ وہ قومی سیاست، معاشرت، معیشت اور آداب و اخلاق کو اسلامی اصولوں پر استوار کرے۔ یہ تمام امور ایک اسلامی ریاست کے خصائص میں سے ہیں۔ لیکن ان تمام اعلانات کے باوجود مصری حکومت نے قوانین موجودہ کی بدولت شریعت اسلامی کو معطل کر رکھا ہے۔ اور اسلام کے حلال کو حرام اور اسلام کے حرام کو حلال کر رکھا ہے۔

مصری حکومت نے ملک میں شرعی قوانین کے بجائے فرنگی قوانین کو رائج کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قوانین احکام اسلام کے مخالف ہیں۔ اور علمی اور فنی لحاظ سے یہ اسلامی قوانین کا کسی حیثیت سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح اسلامی تہذیب کو زندہ کرنے کے بجائے اس کی قبر کھودی جا رہی ہے۔ اور حکومت مصر دین کی اقامت و تجدید کے اس انوکھے اور الٹے طریق سے ذرہ برابر نہیں شرماتی۔ حالانکہ

---

[1] یہ دراصل سورۂ احزاب کی ایک آیت کا ترجمہ ہے۔ جسے مصنفؒ نے اپنے مضمون میں اس موقع پر نقل کیا تھا۔ آیت یہ ہے۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔ ناظرین سمجھ گئے ہونگے۔ کہ یہاں جماعت الاخوان المسلمون کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس کے رکن اور قائد عودہ شہیدؒ بھی تھے۔ قارئین نے یہ اندازہ بھی کر لیا ہوگا۔ کہ یہ آیت مصنف مرحوم اور ان کے مظلوم رفقاء پر کسی صادق آتی ہے۔ کسطرح عودہ مرحوم یہ سطور لکھتے وقت ومنھم من ینتظر کی صف میں تھے اور کسطرح پھانسی کے تختے پر لٹک کر وہ فمنھم من قضیٰ نحبہ کے زمرے میں شامل ہو گئے (مترجم)

قرآن نے صاف کہا ہے۔ کہ

(۱) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۱۸) پھر ہم نے تمہیں امر دین کا ایک راستہ دکھا دیا ہے۔ پس اسکی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو نہیں جانتے۔

(۲) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ الاعراف ۳ پیروی کرو اسکی جو اتارا گیا ہے۔ تمہاری طرف۔ تمہارے رب کی طرف سے اور اسکے سوا دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ کم ہی تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

۳۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (النساء ۶۵) پس نہیں تیرے رب کی قسم نہیں ایمان دار ہو سکتے جب تک کہ وہ حکم نہ بنائیں تجھے آپس کے جھگڑوں میں۔ پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی۔ اس چیز سے جو تم فیصلہ کرو۔ اور سر بہ سر تسلیم نہ کر لیں

(۴) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور جنہوں نے فیصلہ نہ کیا اللہ کے نازل کردہ کے مطابق پس وہی لوگ کافر ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے احکام تو یہ ہوں۔ اور اسلامی ممالک کی حکومتوں نے انہیں معطل کر رکھا ہو۔ تو ایسی حکومتوں کے بارے میں ہر عقلمند انسان خود آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور اسے یہ کہنے میں قطعاً کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ حکومتیں مسلمانوں کو کفر کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ اور اس کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہیں۔

مصر میں محرمات حلال ہیں۔

مصری[1] حکومت نے جس کا سرکاری دین اسلام ہے۔ سودی لین دین کی مختلف صورتوں کو حلال کر رکھا ہے۔ بلکہ پوری قوم میں اس بات کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ کہ رعایا سود سے اپنی دولت بڑھائے حالانکہ اس حکومت کو معلوم ہے۔ کہ اسلام نے سود کی ہر شکل کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ کہ

(۱) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ ۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ نہیں کھڑے ہوں گے۔ قیامت کے دن اپنی قبروں سے مگر اسطرح جسطرح کھڑا ہوتا ہے۔ وہ جسے حواس باختہ کر دیا ہو شیطان نے چھو کر۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا۔ کہ بیع بھی تو سود کی مانند ہے۔ حالانکہ حلال کیا اللہ نے بیع۔ اور حرام کیا ہے سود کو۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی ہے۔ سود میں سے اگر تم مومن ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲۷۸) پس اگر تم ایسا نہ کرو۔ تو اعلان سن لو اللہ اور اسکے رسول کیطرف سے جنگ کا۔ اور اگر تم توبہ کر لو۔ تو تمہارے لیے ہیں تمہارے اصل زر تم نہ ظلم کرو گے۔ اور نہ تم پر ظلم کیا جائیگا۔

---

[1] افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ پاکستان کا دستور بھی اسلامی ہے۔ اور سرکاری دین اسلام ہے۔ اور دستور میں حدود اللہ کے اندر دستور سازی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مگر اب تک قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ بلکہ دن بہ دن محرمات اور منکرات کو فروغ ہو رہا ہے۔ اس مضمون میں اگر آپ لفظ "مصر" کی بجائے پاکستان رکھ کر پڑھیں۔ تو شاید کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ یہ تبصرہ صرف مصر پر نہیں۔ ہم پر بھی ہے

(مرتب)

اسی مصر میں جوا اور لحم خنزیر حلال ہے۔ اور حکومت نے مردوں اور عورتوں کو اجازت دے رکھی ہے۔ کہ وہ ان محرمات کے استعمال اور ارتکاب کیلئے مجالس قائم کریں۔ اور سر بازار ان کیلئے دکانیں سجائیں۔ حالانکہ اس حکومت کو یہ قرآنی حکم معلوم ہے۔ کہ

(۱) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ — حرام کیا گیا ہے۔ تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت۔

(۲) إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ — شراب۔ جوا، استھان اور پانسے تو ناپاک اور شیطانی عمل سے ہیں۔ پس ان سے بچو۔ (المائدہ ۹۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(۱) كل مسكر خمر وكل مسكر حرام۔ — ہر نشہ آور شے خمر ہے اور ہر نشہ آور شے حرام ہے۔

لعن الله الخمر ولعن شاربها وساقيها وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وحاملها والمحمولة اليه وآكل ثمنها — اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ شراب پر۔ اس کے پینے والے پر۔ پلانے والے پر۔ نچوڑنے والے پر کشید کرنے والے پر۔ خرید و فروخت کرنے والے پر۔ اٹھا کر لے جانے والے پر۔ جس تک پہنچائی جائے۔ اس پر اور اس کی کمائی کھانے والے پر

حکومت مصر اس بات سے بھی نہیں شرماتی۔ کہ شراب خرید کر اسے سرکاری اور پبلک تقریبات میں شرکاء کے سامنے پیش کرے اس طرح سے ہمارے حکمران اس لعنت کے مستحق بنتے ہیں۔ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

یہی حکومت مصر اس بات کو جائز قرار دیتی ہے۔ کہ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوں۔ اور ان میں غیر محرم مرد اور عورتیں بغل گیر ہو کر اور شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر نیم برہنگی کی حالت میں ناچیں کیا یہ بے حیائی اور حرام کاری کی کھلم کھلا اشاعت نہیں ہے۔ کیا حکومت کو یہ قرآنی حکم معلوم نہیں ہے کہ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا — اور زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ یہ بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔

(۲) إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ — وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں۔ کہ پھیلے بے حیائی۔ ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں۔ ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔ دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

اسلام کی تعلیم تو یہاں تک ہے۔ کہ اس نے زانی مرد کا پاک دامن عورت سے اور زانیہ عورت کا نیکوکار مرد سے نکاح منع فرمایا ہے۔ قرآن میں ہے۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ — زانی نکاح نہیں کرتا۔ مگر زانیہ اور مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا۔ مگر زانی یا مشرک اور یہ مومنین پر حرام کر دیا گیا ہے۔ (النور ۳)

(باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ سے آگے ہے اور ایک خالص لادین دستور حکومت بنا دیں اس لئے اگر ملک و ملت کو ایسے لوگوں کی دست برد اور ان عزائم مشئومہ سے بچانا مقصود ہو۔ اور ہر مسلمان کو چاہیئے۔ کہ وہ اسی کو مقصود بنا دے۔ تو لازماً آئندہ انتخابات میں ان لوگوں کو شکست دے کر گوشۂ گمنامی میں پھینک دینا ضروری ہے۔ اور یہ ضرورت خالص مذہبی اور دینی ہے اس موقع پر یہ کوئی نیکی اور پرہیزگاری ہرگز نہیں۔ کہ کوئی شخص کسی مسجد و خانقاہ میں تماشائی بنکر بیٹھا رہے اور کفر و اسلام اور فسق و تقویٰ کی یہ جنگ ہو رہی ہو

ہمیں دنیا کا یہ نقشہ سے تقویت پہنچا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین

بسلسلہ گذشتہ (۲)

اسلامی ریاست اور وطنی قومیت

(از مولانا امین احسن اصلاحی)

وطن کی بنیاد پر مختلف قومیتوں سے ایک متحدہ قومیت جو بنتی ہے۔ اس میں اصلی مطمح نظر تو یہ ہوتا ہے۔ کہ ایک وطن میں رہنے بسنے والی ایک سے زیادہ قومیتیں وطن کے سوا دوسرے عوامل قومیت — نسل زبان، کلچر، روایات اور مذہب — کو جو ان کے اندر اپنے الگ الگ تشخص اور اپنی مخصوص انفرادیت کا احساس پیدا کرتے ہیں ختم کر دیں اور ان کی جگہ ایک مخلوط نسل۔ ایک مشترک زبان۔ ایک مشترک ثقافت اور ایک مشترک مذہب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ بات کہنے میں بھی بڑی بھونڈی معلوم ہوتی ہے۔ اور عملاً بھی بہت بعید از قیاس نظر آتی ہے۔ اس وجہ سے کہی یوں جاتی ہے۔ کہ مختلف قومیتیں الگ الگ تشخصات کو اگر محفوظ رکھنا چاہیں۔ تو اپنے الگ دائروں کے اندر محفوظ رکھیں لیکن اجتماعی و سیاسی دائرے میں ایک ہی قوم کی حیثیت سے نمایاں ہوں۔ اور اپنے انفرادیت پسندانہ رجحانات و عوامل کو اس میں مخل نہ ہونے دیں۔ اٹھارویں صدی سے پہلے پہلے تو عملاً یہی صورت تھی کہ غالب اور فتح مند قومیت مغلوب قومیت کے ان تمام تشخصات کو تقریباً ختم کر دیتی تھیں۔ جو اس کے انا کو زندہ رکھنے والے خیال کئے جاتے تھے۔ لیکن اٹھارویں صدی میں نپولین کی فتوحات اور اس کے بعد پہلی جنگ عظیم نے مختلف اسباب سے جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ قومیتوں کے اندر اپنے امتیازی تشخصات کو زندہ اور باقی رکھنے کا احساس اتنا قوی کر دیا۔ کہ غالب قومیتوں کے لئے ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب اگرچہ ایک نظریہ کی حیثیت سے یہ مسلم ہے۔ کہ ہر قومیت کو اپنی ہستی۔ اپنی زبان۔ اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کو باقی رکھنے کا حق ہے۔ اور یہ بات بظاہر نہایت اچھی بھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا سارا حسن صرف کاغذ کے صفحات ہی پر ہے۔ عمل میں آکر اس کی یہ ظاہری چمک دمک بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تمام اندرونی خرابیاں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ ہم یہاں اس کی بعض نمایاں خرابیوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس کی پہلی خرابی تو یہ ہے کہ یہ قومیت متضاد عناصر کا ایک مجموعہ ہوتی ہے۔ بظاہر تو یہ عناصر ایک ہی بندھن میں باندھ دیئے جاتے ہیں لیکن بہ باطن ان کی امنگیں اور ان کے حوصلے ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہتے ہیں۔ جہاں نسل، زبان، تہذیب، ادب اور مذہب کے اتنے اختلافات موجود ہوں۔ وہاں صرف ہم وطنی کا رشتہ اس کو باہم جوڑے رکھنے میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع کے جو محرکات موجود ہوتے ہیں، وہ برابر اپنا عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور کبھی ان کو ایک قوم کی طرح پوری یک جہتی کے ساتھ کسی قومی نصب العین کے لئے کام نہیں کرنے دیتے۔ یہ قومیت کامیاب صرف اسی صورت میں ہوتی ہے۔ جب تضاد کے یہ اسباب یا تو سطحی ہوں۔ یا پوری طرح دبا دیئے گئے ہوں۔ یا دوسرے عناصر کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اتنے ناقابل لحاظ ہوں۔ کہ غالب اکثریت کے مقابل میں وہ کان دبائے پڑے رہنے پر مجبور اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھتے ہوں۔

اس کی دوسری خرابی یہ ہے۔ کہ اس قومیت کی تشکیل کرنے والے مختلف اجزاء مجبور ہوتے ہیں۔ کہ ان کے پاس جو قیمتی ورثہ خود

ان کی قومی روایات، قومی ادب اور اپنے آبائی دین کا ہے۔ اس کو تو اجتماعی و سیاسی زندگی سے خارج کر کے سڑنے اور گلنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اور اس کی جگہ پر ہر چیز ایک مصنوعی شکل میں قبول کرنے پر راضی ہوں۔ یہ قربانی صرف اپنی عناصر کو نہیں کرنی پڑتی ہے۔ جو عددی اعتبار سے اقلیت میں ہوتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اپنے دوسرے ساتھی یا ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لیے شریک غالب کو بھی یہ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ ادب میں رجحانات بدلتے ہیں۔ زبان کا ڈھانچہ متغیر ہوتا ہے۔ روایات کا ایک نیا ماخذ تیار ہوتا ہے رسوم میں بالکل بیگانہ آمیزشیں ہوتی ہیں۔ تاریخ ایک نیا قالب اختیار کرتی ہے۔ جو عدو سمجھے جاتے تھے۔ وہ ہیرو بنتے ہیں، جو ہیرو خیال کئے جاتے تھے۔ بسا اوقات ان کے نام کتابوں کے صفحات اور ذہنوں کی الواح سے کھرچ کھرچ کر نکالے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ مصیبت اس وطنی قومیت کے ہاتھوں مذہب پر آتی ہے۔ مذہب ایک قوی ترین عامل قومیت ہے۔ اور سطحی مفادات کے آگے مشکل ہی سے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس وجہ سے قومیت کی تشکیل میں اس کو سب سے بڑا مانع قرار دے کر اس کا علاج یہ سوچا گیا ہے۔ کہ اس کو اجتماعی و سیاسی زندگی سے بالکل ہی خارج کر کے مسجد یا مندر یا کلیسا کے اندر بند کر دیا جائے۔ اس لادینیت کے بغیر وطنی قومیت کا ڈھانچہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

اس میں تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ غالب قومیت کے اندر اگر نسلی اور مذہبی عصبیت پوری طرح جڑ پکڑے ہوئی ہوتی ہے، تو وہ وطنی قومیت کا روپ دھارن کر کے بھی دوسرے شریکوں کے مقابل میں اجتماعی و سیاسی زندگی کے ہر گوشے میں اپنے مفاد اور اپنے رنگ کو غالب رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسرے اگر اپنے حقوق کا نام لیں۔ اپنی زبان کا ذکر کریں۔ اپنی تہذیب کا رونا روئیں۔ اپنے مذہب کا حوالہ دیں۔ تو اس کو گروہی تعصب۔ انتشار پسندی اور ملک و وطن کے ساتھ غداری پر محمول کیا جاتا ہے۔ لیکن شریک غالب دھڑلے کے ساتھ ساری چیرہ دستیاں کرتا ہے، لیکن مجال نہیں ہے کسی . . . . کی کہ اس کے خلاف زبان ہلا سکے۔ اس صورت حال کی بہترین مثال بھارت کی ہندو اکثریت کا طرز عمل ہے۔

اس کی چوتھی خرابی یہ ہے۔ کہ بعض حالات میں شریک غالب بھی اس میں شدید نقصان اٹھاتا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب شریک غالب عددی اکثریت تو رکھتا ہو۔ لیکن اس کے اندر وحدت اور تنظیم نہ ہو۔ معاشی اعتبار سے وہ بدحال اور سیاسی اعتبار سے غیر منظم ہو۔ اس کے لیڈر سادہ لوح یا ابن الوقت ہوں۔ اس کے اندر محض مفاد اور اغراض کے لئے بہت سی پارٹیاں بن گئی ہوں۔ جس سے اس کی سیاسی طاقت بالکل منتشر ہو گئی ہو۔ اور یہ پارٹیاں محض وقتی مفاد اور حصول اقتدار کے لیے اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سودا بازی کر سکتی ہوں۔ ایسی صورت میں عددی اکثریت رکھنے کے باوجود وہ کسی حوصلہ مند اور منظم اقلیت کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن کے رہ جاتی ہے۔ یہ اقلیت اپنی ہوشیاری اور سیاسی جوڑ توڑ سے اس کی پارٹیوں کو اپنا آلہ کار بنا لیتی ہے۔ اور جو مقاصد وہ خود اپنے ہاتھوں پورے کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہ ان کے واسطے سے بڑی آسانی سے پورے کر لیتی ہے اس میں بڑی سہولت اس کو اس وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب اس کو انتخابات میں شریک غالب کے نمائندوں کے انتخابات پر بھی اثر انداز ہونے کا موقع مل جائے۔ اس کی نہایت واضح مثال مشرقی پاکستان میں موجود ہے۔ یہاں مسلمان عددی اکثریت رکھنے کے باوجود اپنی مذکورہ بالا کمزوریوں کے سبب سے ہندوؤں کے ایک چراگاہ بنتے جا رہے ہیں۔ اور اس علاقے میں مخلوط طریقہ انتخاب رائج ہو جانے کے بعد اقلیت کے اکثریت پر اثر انداز ہونے کے مواقع اس قدر بڑھ جائیں گے۔ کہ اکثریت نہ صرف تہذیب و تمدن اور مذہب کے اعتبار سے سخت نقصان اٹھائے گی۔ بلکہ عجب نہیں۔ کہ ملک کی سالمیت ہی خطرے میں پڑ جائے۔

اس کی پانچویں خرابی اور سب سے بڑی یہ ہے، کہ یہ قومیت خطرات و مشکلات کے مقابل میں عموماً بہت بودی ثابت ہوتی ہے۔ وطنی عصبیت کا جذبہ ابھارنے کے لیے اگر کوئی محرک سب سے زیادہ قوی ہو سکتا ہے، تو وہ کسی مشترک مصیبت کا ظہور یا اس کے ظہور کا خطرہ ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ مشترک مصیبت بھی ایک وطنی قومیت کے مختلف عناصر میں اتحاد کا عام ولولہ اور حبِّ وطن کا عام جوش صرف اسی صورت میں پیدا کرتی ہے۔ جب قومیت کے تمام اجزاء اپنے آپ کو وطن کے تمام ذہنی و مادی فوائد میں برابر کا شریک و سہیم سمجھتے ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہو (اور اوپر ہم بیان کر چکے ہیں، کہ اس صورت کا پیدا ہونا صرف خاص حالات میں ہی ممکن ہے) تو اجزائے قومیت اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں۔ وہ اس مشترک مصیبت کو ایک مصیبت سمجھنے کی بجائے بعض حالات میں اس کو اپنے لیے رحمت سمجھتے ہیں۔ اور ایسے مواقع پر ان کی ہمدردیاں اپنے ہم وطنی ہم قوموں کے بجائے بیرونی حملہ آوروں ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ بیرونی حملہ آور اگر زیرک ہوں۔ تو وہ کسی ملک کے اس اندرونی اضطراب سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر اتحادیوں نے جو یہ نعرہ لگایا تھا۔ کہ یہ جنگ مظلوم و مقہور اقلیتوں کی آزادی کے لیے لڑی جا رہی ہے اس نعرہ سے انہوں نے اپنے حریفوں کے مقابل میں بڑا فائدہ اٹھایا اگرچہ اس فائدہ اٹھا چکنے کے بعد انہوں نے خود اس کی پوری بے حرمتی کی۔ اس پہلو سے غور کیجئے، تو معلوم ہوگا کہ وطن کی اساس پر بنی ہوئی قومیت اپنے اصلی مدعا کے اعتبار سے تو بودی اور پھسپھسی ہوتی ہے البتہ فتنہ کا لام یا اسلامی اصطلاح میں منافقین کی پرورش کے لیے یہ بہترین پناہگاہ فراہم کرتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ اگر قومیت کے تمام عناصر کو بالکل مساوی درجہ میں آسودہ اور مطمئن کیا جا سکے، تو اس خرابی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ خود وطنی قومیت کی تعمیر ہی میں مضمر ہے۔ اس وجہ سے اس کو دور کرنا بہت مشکل ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے مذکورہ عوامل پر تنقید اب آیئے۔ اسلام کی روشنی میں مذکورہ عوامل پر غور کیجئے۔ کہ وہ ان کو کس حد تک رد اور کس حد تک قبول کرتا ہے۔ اسلام تو ان تمام عوامل قومیت کو نہ تو یک قلم رد کرتا ہے۔ اور نہ ان کو پورا پورا قبول ہی کرتا ہے۔ ان عوامل میں سے جو عامل جس حد تک عقل اور فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اس کو اس نے نہ صرف اختیار کر لیا ہے۔ بلکہ اس کو جزو دین بنا دیا ہے۔ جس کو نہ صرف ماننا ضروری ہے۔ بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ لیکن جہاں کہیں عقل اور فطرت کے حدود سے ان میں کوئی انحراف یا تجاوز ہے۔ اسلام نے واضح الفاظ میں اس کی نشان دہی کر دی ہے۔ کہ یہ انحراف یا تجاوز حدود اللہ سے تجاوز ہے۔ اور اس سے معاشرہ اور قومیت میں فساد کو راہ ملتی ہے۔ جس کا اثر بالآخر نظام زندگی پر پڑتا ہے۔

اسلام میں نسل و نسب کا درجہ اسلام نسل و نسب کے رابطہ کو ایک نہایت قوی رابطہ تسلیم کرتا ہے۔ اس کو خاندان اور معاشرہ کی بنیاد قرار دیتا ہے رشتۂ رحم کاٹنے کو ایک گناہ عظیم اور فساد فی الارض کا سبب بتاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کو تنگ نظریوں اور تعصبات کے شر سے پاک رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل حقائق بھی سامنے رکھ دیتا ہے۔

ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اس وجہ سے حقوق اگرچہ الاقرب فالاقرب کے اصول پر قائم ہیں۔ لیکن اپنے خاندان یا اپنی قوم و قبیلہ کو حق و باطل کا معیار نہیں بنا لینا چاہیے۔ اور اس کے تعصب میں اندھے ہو کر انصاف اور سچائی کے بالاتر اصولوں سے منحرف نہیں ہو جانا چاہیے۔

دوسرا یہ کہ خاندانوں اور قبیلوں کی تمیز اور زبان اور رنگ کی تفریق محض شناخت اور تعارف کے لیے ہے۔ یہ نہ عزت اور شرافت کی کوئی کسوٹی ہے۔ اور نہ خدا سے تقرب و توسل کی کوئی دلیل۔ خدا کی نظر میں درجہ اور مرتبہ صرف ان لوگوں کو ملتا ہے۔ جو خدا سے ڈرنے

والے اور اس کی شریعت اور اس کے قانون کا احترام کرنے والے ہیں۔ اور یہی لوگ ایک اسلامی معاشرہ میں بھی حقیقی عزت و احترام کرنے والے ہیں۔ اور یہی لوگ ایک اسلامی معاشرہ میں بھی حقیقی عزت و احترام کے مستحق ہیں۔

تیسرا یہ کہ اجتماعی و سیاسی زندگی کے لئے صرف وہی ضوابط صحیح ہیں۔ جو انسانی فطرت کے مطابق خود انسانوں کے خالق نے بنائے ہیں۔ نہ کہ وہ جو قومی و قبائلی عصبیت کے تحت خود انسانوں نے ایجاد کئے ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق قرآن و حدیث میں مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے بیان ہوتے ہیں۔ ہم چند آیتوں اور حدیثوں کے ترجمے یہاں درج کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

(۱) اے لوگو! اپنے اس خداوند سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اسکی بیوی کو بھی پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلائیں۔ اور اس اللہ سے ڈرو۔ جس کے واسطے تم ایک دوسرے سے طالب مدد ہوتے ہو اور رحمی رشتوں کا احترام کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (سورۃ نساء رکوع اول) یہ آیت ان بنیادی اصولوں کو واضح کر رہی ہے۔ جن پر اسلامی معاشرہ (یا بہ الفاظ دیگر اسلامی قومیت) قائم ہے۔ اس میں دو چیزوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی تعاون و تناصر کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ایک خدا کو، جو سب کا خالق ہے۔ اور ایک رشتۂ رحم کو، جس کا شعور اگرچہ ایک خاص حد سے آگے جاکر مضمحل ہو جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ تمام نسل انسانی کے درمیان مشترک ہے۔ علاوہ ازیں عورت کو بھی اس معاشرہ میں برابر کا شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اگرچہ اپنے فرائض کے اعتبار سے اس کا دائرہ مردوں کے دائرے سے الگ ہے

دوسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ یہ چیز تمہارے لئے تعارف کا ذریعہ ہو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے۔ جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اللہ علیم و خبیر رکھنے والا ہے۔ (حجرات آیت ۱۳)

حدیث میں رشتۂ رحم کی اہمیت ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا۔ یہاں تک کہ جب ان کو پیدا کر کے فارغ ہوا۔ تو رحم کھڑا ہوا۔ اور اس نے عرش الٰہی کو تھام کر کہا۔ کہ یہ جگہ ہے۔ اس کی جو قطع رحم سے تیری پناہ چاہے؟ ارشاد باری ہوا کہ ہاں! کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے۔ کہ میں اس سے جوڑوں۔ جو تجھ سے جوڑے اور اس سے کاٹوں جو تجھ سے کاٹے؟ بولا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ ارشاد باری ہوا۔ کہ یہ مقام تجھ کو بخشا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر تم چاہو۔ تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو۔ (یعنی اس آیت سے اس مضمون کی تائید ہو جائے گی)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۝

پس تم سے یہی متوقع ہے۔ اگر تم منہ موڑے ہو کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور رشتہ رحم کو کاٹو۔ یہی لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ اور ان کے کان بہرے کر دیئے اور آنکھیں اندھی کر دیں۔

(ریاض الصالحین بحوالہ مسلم و بخاری) (سورۃ محمد آیت ۲۲)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قطع رحم یا قطع قرابت اتنا بڑا جرم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی پاداش میں قطع رحم کرنے والوں پر لعنت کر دیتا ہے۔ اور ان کے دلوں و دماغوں کو اندھا بہرا کر دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

امن وایمان

مولانا محمد اسحاق سندھیلوی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

آج سارا عالم آماجگاہِ فتنہ و فساد ہے۔ امن و امان مجسمۂ اضطراب اور قلب سکون قلب کے لیئے بے تاب ہے۔ انسانی سفاکیوں پر انسانیت شرمسار اور آدمیت سر بہ زانو نظر آتی ہے۔ مشکلات و مصائب تکلیف و بے اطمینانی، بدامنی و خونریزی کا ایسا سلسلہ سارے عالم میں جاری ہے جس کو دیکھ کر زندہ مردے پر رشک کرتا ہے۔ کیا انسان اطمینان و امان کا خواہشمند نہیں رہا۔؟ کیا انسانی فطرت بدل گئی۔؟ اگر ایسا نہیں ہے۔ اور واقعی انسان فطرتاً اطمینان کا خواہاں ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ بدامنی و بے اطمینانی کی بادِ سموم تو سارے عالم کو دن رات جھلسا رہی ہے۔ مگر زندگی کے اس باغ میں امن و امان کی نسیم کا کوئی جھونکا نہیں آتا۔ ہندوستان، پاکستان فلسطین چین یورپ کے مختلف ممالک غرض کسے کسے مثال میں پیش کیا جائے دنیا کی وہ کونسی مبارک سرزمین ہے۔ جس نے انسانی خون سے اپنی پیاس نہ بجھائی ہو۔ جہاں بظاہر فضا کچھ پُر سکون معلوم ہوتی ہے۔ وہاں بھی خوف و خونخواری کے مخلوط جذبات دلوں میں موجزن ہیں اور زندگی حقیقی امن و راحت سے محروم۔

وسیع اجتماعات کو چھوڑ کر نسبتاً چھوٹے اجتماعات مثلاً منزلی اور شہری زندگی کو دیکھیئے۔ تو انسانیت اور بھی زخمی نظر آئے گی۔ اکثر و بیشتر اشخاص ایسے نظر آئیں گے جن کے حلق میں زندگی ایک تیغ خار دار نوالے کی طرح پھنسی ہوئی ہے۔ جو نہ باہر آتا ہے۔ اور نہ حلق کے نیچے اترتا ہے۔ گھروں اور بازاروں میں۔ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں۔ ہسپتالوں اور کالجوں میں۔ سکولوں میں۔ اور ان کے علاوہ ہر اس جگہ جہاں اولادِ آدم کے قدم پہونچتے ہیں۔ انسانیت دیوانہ وار بے یار و مددگار گریاں و نالاں پھرتی ہوئی اور حیوانیت امن و راحت کو ذبح کرتی ہوئی دکھائی دے گی۔ سوال یہ ہے۔ کہ آخر یہ سب کیوں ہے؟ امن و اطمینان انسانیت کی خوشگوار اور پسندیدہ غذا ہے۔ اس سے محروم ہو کر انسانیت کتنے دن زندہ رہ سکتی ہے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے بعد اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ کہ سوال کی اہمیت پر مزید روشنی ڈالی جائے۔ اگر انسانیت کی بقا مقصود ہے۔ اگر انسان کے فطری مطالبہ کو پورا کرنا ہے۔ اور اگر زندگی کو ویسا ہی بنانا ہے۔ جیسا کہ واقعتہً ہونا چاہیئے تو اس سوال پر غور کرنا ناگزیر ہے۔

یہ کوئی ریاضی کا فرضی سوال نہیں ہے۔ بلکہ پوری انسانیت کی زندگی کا حقیقی سوال ہے۔ اس لیئے ایسے نکتے دماغ شاید بہت کم ہوں گے۔ جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اس مسئلے کو سوچا نہ ہو یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ جو حوادث ہم کو نظر آتے ہیں۔ ان کے پیچھے کچھ دوسرے حوادث ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ بے انتہا نہیں ہے، مگر لمبا ہے۔ اگر ہم کسی زہریلے درخت کو ہمیشہ کے لیئے ختم کرنا چاہیں۔ تو اسکی جڑوں کو نکال دینا ضروری ہے۔ قیام امن کے بارے میں کوشش کرنے والے اشخاص اور اداروں کی ناکامی کا راز اسی اصول میں پوشیدہ ہے۔ ان کی مساعی کی داد نہ دینا خلافِ اخلاق ہے۔ مگر ناکامی کو۔ کامیابی کہہ دینا اور غلط طریقوں کو صحیح قرار دینا بھی خلافِ انصاف ہے۔ عقل انگشت بدنداں ہے کہ سارے عالم کے مفکرین امن و امان کا شور بلند کر رہے ہیں مگر فتنوں کا یہ حال ہے۔ کہ وہ طلسم ہوشربا کے کسی طلسمی سپاہی کی طرح

ایک کو مارنے دو ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو ختم کرنے کی ہر کوشش ان میں مزید اضافہ کر دیتی ہے۔ پچھلی جنگِ عظیم اول کے بعد مجلس اقوام امن عالم کی ضامن بن کر آئی تھی۔ مگر چوتھائی صدی بھی نہ گذری تھی۔ کہ اسی مجلس اقوام نے امنِ عالم کو اپنے ہاتھوں سے دوسری جنگِ عظیم کی بھٹی میں جھونک دیا۔ اس کرۂ آتش فشاں کا لاوا کچھ سرد پڑنے کے بعد سلامتی کونسل امن و سلام کا جھنڈا لہراتی ہوئی آئی۔ مگر گذشتہ چند سالوں کے متعدد واقعات بتا رہے ہیں کہ سلامتی کے یہی ضمانت دار اپنی اپنی خود غرضیوں اور جنبہ داریوں سے تیسری جنگِ عظیم کے لیئے راستہ صاف کر رہے ہیں۔ جو بہت تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ناکامی کا داغ صرف یورپ کی پیشانی پر لگا ہوا ہے۔ واقعہ اس سے کہیں زیادہ دردناک اور ہولناک ہے یورپ اور ایشیا پر موقوف نہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں حامیانِ امن و اطمینان فتنوں کے استیصال میں قطعاً ناکام ہیں۔ اور ایک مبصر کے نزدیک اس کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ کہ کبھی ان کا سفینۂ تمنا ساحلِ مراد کو پہنچ سکے گا۔ بلکہ گردابِ ناکامی میں غرق ہو جانا ان کے لیئے مقدر معلوم ہوتا ہے۔

اس خطرناک ناکامی کی وجہ یہی ہے۔ کہ بدامنی و بے اطمینانی کے حقیقی سبب تک ان مفکرین کی رسائی اب تک نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے شاخ تراشی تو کی۔ مگر گہری جڑوں کو نہیں دیکھا مرض کی علامتوں کو دیکھا۔ مگر اصل سبب کی تشخیص نہیں کی۔ چشمے کا بند باندھنے کی کوشش تو کی۔ مگر سرچشمہ کو ابھی بند نہیں کیا۔ ایسی صورت میں ان کو ناکامی و نامرادی کی سزا کے بجائے کامیابی و بامرادی کا انعام قدرت کے کس قانون کی بنا پر مل سکتا تھا؟ ناکامی اور بے تدبیری کا الزام قلم کی وہ گستاخانہ جسارت ہے۔ جو ان مفکرین کی پیشانی پر غالباً بل ڈال دے گی۔ جن کے تدبر و تدبیر پر دنیا کی بہت بڑی آبادی مکمل اعتماد رکھتی ہے۔ مگر حق بہرحال حق ہے۔ اس کی تلخی اس کے اخفا کے لیئے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس کے وجود کا ثبوت ہے۔ تاہم دلیل و برہان کی روشنی ہی ان تاریکیوں کو دور کر سکتی ہے۔ جن کی وجہ سے غلطی کے بنیادی اسباب کی دریافت اور پھر ان کا علاج مشکل ہو رہا ہے۔

اس وقت ہمارے کام کے دو حصے ہیں۔ (۱) اس امر کا ثابت کرنا کہ فسادات عالم کا جو سبب مفکرین عالم بیان کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت فسادات کا سبب نہیں ہے۔ (۲) اور ان کے حقیقی سبب کو بیان کرنا۔ ان دونوں حصوں پر علیحدہ علیحدہ کلام کرنا توضیح کے لیئے مناسب ہے۔

فقدانِ امن کے مبینہ اسباب

دنیا میں ایسے سادہ لوحوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ جو عالم کی بدامنی اور فسادات کا رشتہ محض حرکاتِ قلب کی وقتی تیزی و سستی سے جوڑ دیتے ہیں۔ اور صرف وقتی جذبات و میلانات کو ان کا حقیقی سبب قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ جو دنیا کو اس قسم کے دوری جنوں کا مریض سمجھتے ہیں۔ درحقیقت خود ایک قسم کے جنوں میں مبتلا ہیں۔ ان کی اس توجیہ کو اگر صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو بجائے سیاسی مجالس کے ہمیں کسی طبی معمل کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس قسم کے جنوں کو روکنے کے لیئے کوئی انجکشن ایجاد کر لیا جائے۔ اس مہمل توجیہ کی تردید میں وقت ضائع کئے بغیر ہم ان توجیہات پر نظر کرتے ہیں جو سمجھدار لوگوں کی طرف سے بیان کی جاتی ہیں۔

نسبتہً گہری نظر رکھنے والے مفکرین اس خیال پر متفق ہیں کہ انسانی زندگی کا یہ مسلسل تلاطم جس میں انسانیت کا بیڑا غرق ہو رہا ہے۔ ان متضاد سیاسی و معاشی نظریات کا آوردہ حصہ ہے۔ جو باوجود غلط اور خلافِ عقل و فطرت ہونے کے بہت سے ذہنوں پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ اور عالم میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ ان مفکرین کا کہنا ہے۔ کہ اگر فسطائیت کا نظریہ جرمنی و اٹلی کے دماغوں پر مسلط نہ ہوتا۔ تو دنیا کو دوسری جنگِ عظیم کے جہنم میں نہ جلنا پڑتا

اور اگر سرمایہ داری سیم و زر کو خون دہقان سے زیادہ قیمتی قرار دینے کا خیال ترک کر دے۔ تو مزدور کے غضب ناک دل کی چنگاریاں عالم کے خرمن امن و امان کو خاکستر نہ بنا سکیں۔

اس توجیہ کی صحت سے ہم کو کلیتہً انکار نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم ان مفکرین کی دقیقہ رسی کی داد نہ دیں۔ تو انصاف کی عدالت میں مجرم قرار پائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اگر سیاست و معاش کے متعلق غلط نظریات کا وجود نہ ہوتا۔ تو فتنہ و فساد میں بہت کمی واقع ہو جاتی۔ مگر یہ توجیہ اسی حد تک قابل تسلیم ہے۔ اس کی کلیت کا دعویٰ بالکل ناقابل تسلیم اور دلیل و برہان کی تائید سے قطعاً محروم ہے اس میں شبہ نہیں۔ کہ افراد انسانی کی ایک بڑی تعداد کا خون سیاسی و معاشی نظریات سے اختلاف و تضاد ہی کی گردن پر ہے۔ مگر صرف انہی کو ہر قتل و خونریزی اور ہر فتنہ و فساد کا ذمہ دار قرار دینا عقل تاریخ مشاہدہ کسی کے یہاں بھی قابل قبول نہیں ہے؟

توجیہ کی وسعت و گیرائی کو دلائل کے پیمانوں سے ناپنا اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔ بحث اسکی گہرائی سے ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان مفکرین کی عقل بہت دور تک پہنچی۔ مگر حقیقت اس سے بھی زیادہ گہرائی پر ملتی ہے۔ اصل سبب تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔

سوال یہ ہے۔ کہ غلط اور تباہ کن و متضاد نظریات پیدا ہی کیوں ہوئے۔؟ کسی مرض کا پورا ازالہ اس وقت تک غیر ممکن ہے جب تک اس کے اصل سبب کا ازالہ نہ کیا جائے۔ اور اس کا ازالہ اس وقت تک غیر ممکن ہے۔ جب تک اس کو معلوم نہ کر لیا جائے۔ ان مفکرین کی یہی کمزوری ہے۔ انہوں نے اس سوال پر پورا غور نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک مسئلہ پر غور کا آغاز اسی نقطہ سے ہونا چاہیئے۔

ہر مسافر چاہتا ہے۔ کہ منزل مقصود پر پہنچے۔ فکر کا سفر بھی اسی عزم سے ہوتا ہے۔ کوئی مفکر بھی اس ارادے سے نہیں سوچتا کہ وہ غلط نتائج حاصل کرے۔ کوئی شخص اس لیے پانی نہیں پیتا۔ کہ اس سے اس کی تشنگی بڑھ جائے۔ اس غلطی کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ جس کو انسان کی ذہنی بیماری کے عنوان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بیمار فکر غلط نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اور بیمار فکر بیمار ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ فکر کی بیماری کیا ہے؟ فکر کے داخلی سفر کو انسان کے خارجی سفر کے ساتھ جو مشابہت ہے۔ وہ آسانی کیساتھ اس مرض کا پتہ بتا دیتی ہے۔ نقطۂ آغاز و نقطۂ انجام اور راستہ کا غلط تعین یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے ایک انسانی فکر کو ناکام بنا دینے کیلئے کافی ہیں۔ یہی وہ امراض ہیں۔ جو انسانی فکر کو ہلاکت و بربادی تک پہنچا دیتے ہیں۔ آنکھ مناظر کا عکس لیتی ہے۔ کان آوازوں کا ادراک کرتے ہیں۔ اور زبان تلخ و شیریں کی متمنی اور نطق و گویائی کی خادم ہے۔ مگر یہ سب آلات اپنے اپنے کام میں زندگی کے دست نگر ہیں اور زندگی روح یا قوت حیات کی محتاج ہے۔ فکر کا معاملہ بھی یہی ہے۔ وہ دو قدم بھی اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک اس میں روح حیات نہ ہو۔ کیا آپ نے کسی لاش کو چلتے پھرتے دیکھا ہے۔؟ اگر نہیں دیکھا۔ تو پھر آپ اس کی امید کیوں رکھتے ہیں۔ کہ مردہ فکر کی لاش حرکت کرنے لگے گی۔

غالباً اب ہم فسادات عالم کے سبب تک پہونچ گئے ہیں۔ دلائل کی روشنی گمان کو یقین کے درجہ تک پہونچا دے گی۔ اور منصف مزاج مخالفین کو بھی یہ حقیقت نظر آ جائے گی۔ کہ جس چیز کو فساد کا اصل سبب سمجھ رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سبب کا نتیجہ ہے۔ یعنی غلط نظریات غلط فکر کا نتیجہ ہیں۔ اور غلط فکر روح فکر کے فقدان سے پیدا ہوا ہے۔

روح فکر

اب ہم نے دور کا سراپا لیا ہے۔ یعنی اب ہم کو روح فکر کی جستجو کرنی چاہیئے۔ اگر ہم یہ معلوم کر لیں کہ وہ کونسی چیز ہے۔ جس کے فقدان نے غلط نظریات کو انسانی ذہن میں داخل ہونے کا موقع دے دیا۔ تو ہم بہت آسانی کے ساتھ مرض کا علاج تجویز کر سکیں گے۔ انسان سب کچھ بھول جائے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں بھول سکتا۔ کہ وہ "کچھ نہیں" سے "کچھ" ہو گیا۔ "نیست" سے

"ہست" ہونے کا تصور بالکل فطری ہے۔ جس میں ایک عامی دہقان اور ایک فلسفی دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

ہم کہاں سے آئے؟ معدوم سے موجود کیسے ہوگئے؟ آئندہ ہم کہاں جائیں گے؟ یہ سب سوالات ہیں۔ جو اس فطری احساس سے بالکل فطری و منطقی طور پر ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ حقیقت انسانی چونکہ بقا کی خواہشمند ہے۔ اور فنا کے تصور سے بھی وہ گھبراتی ہے۔ اس لیئے جادۂ زندگی پر انسان کا ہر قدم سوالیہ جھکے کا نشان ہوتا ہے۔ بیدار جبلت اس کے ہر حرکت سے پہلے پوچھتی ہے۔ کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ کیوں کر رہا ہے؟ کیا اس کے اس فعل کو اس کی بقا و فنا سے کوئی تعلق ہے؟ پھر وہ سوچتا ہے۔ کہ اس راستہ کو طے کرنے کے لیئے میں کس سے رہبری حاصل کروں؟ اس تاریک اور نامانوس وادی سے گذرنے کیلئے روشنی کہاں سے لاؤں؟ یہی تین سوال ہیں۔ جو انسان کی پوری زندگی کا محور ہیں انسان کے کل افکار و اعمال انہیں کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے جوابات افکار کی روح اور ان کی قوتِ حیات ہیں۔ انسان جو کچھ سوچتا سمجھتا ہے۔ جو نظریات قائم کرتا ہے۔ جو نتائج اخذ کرتا ہے۔ اس میں یہی روح جاری و ساری ہوتی ہے۔ گویا افکار کا شجر اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی کل شاخیں اور پھول پتیاں اسی جڑ سے نکلتی ہیں

فسادات عالم کے حقیقی ذمہ دار اصل سیاسی یا معاشی نظریات نہیں ہوتے۔ بلکہ انہی فطری سوالات کے غلط اور خلافِ واقعہ جوابات ہوتے ہیں۔

افکار کی یہ خشتِ اوّل اگر کج ہو جاتی ہے۔ تو ثریا تک پوری دیوار ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ بنیاد درست ہوتی ہے۔ تو افکار کی پوری عمارت سیدھی تیار ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی پیدائش اور اپنے انجام کے متعلق غلط عقیدہ قائم کرتا ہے۔ اور جادۂ حیات پر چلنے کے لیئے کسی ناواقف یا گمراہ کن رہبر سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ تو اس کے نظریات و افکار کا رخ منزل مقصود کی طرف سے پھر جاتا ہے۔ خواہ وہ سیاسی نظریات ہوں۔ یا معاشی معاشرتی ہوں۔ یا اخلاقی، تاریخ میں شاذ و نادر ایسے فسادات بھی ملیں گے۔ جو اس کلیہ سے مستثنیٰ ہوں لیکن ان کی تعداد اس قدر کم ہے۔ کہ شاید پوری تاریخ عالم میں ان کی کل تعداد انگلیوں پہ شمار کی جا سکتی ہے۔ ایسے شاذ واقعات اصول کے عموم میں کوئی معتد بہ فرق نہیں پیدا کر سکتے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے واقعات کسی دوسرے اصولی سبب سے بھی متعلق نہیں ہوتے۔ بلکہ کسی خاص غلط فہمی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس بحث کو مزید طول دینے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں صرف اتنا ثابت کرنا ہے۔ کہ قیام امن کی خواہ کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کی جائیں۔ اس مقصد کا حصول اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک انسانی حرکات کی بنیاد ان فطری سوالات کے صحیح جوابات پر نہ قائم کی جائے۔ اور جو نظام زندگی ان مسائل کے غلط حل پر قائم کیا جائے گا۔ اس کا فتنہ و فساد کے جہنم میں گرنا بالکل یقینی ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان کے ان ناگزیر سوالات کا صحیح حل اس کے نظامِ زندگی کی روح و بنیاد بنا دیا جائے۔ تو امن و راحت کا حصول آسانی کیساتھ ممکن ہے۔ بلکہ اگر جزئی اور غیر ضروری اسباب نہ پیش آئیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں مکمل امن و امان کا قیام ایک لازمی و لابدی چیز ہے۔ اس لیئے عالم میں مکمل امن و امان کے قیام و بقا کے لیئے یہ ضروری اور ناگزیر ہے۔ کہ پہلے ہم ان سوالات کے صحیح جوابات تلاش کریں۔ پہلا سوال۔ ہم کیوں موجود ہیں؟ ہم معدوم سے موجود کیونکر ہوگئے؟ ہم کہاں سے آئے؟ کسی نے ہمیں پیدا کیا یا ہم خود بخود پیدا ہوگئے؟ یہ سب ایک ہی سوال کے مختلف عنوانات ہیں۔ مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی انسانی فطرت۔ یہ احساس رکھتی ہے۔ کہ انسان پہلے نہیں تھا۔ پھر ہوگیا۔ وہ اسکی علت دریافت کرتی ہے۔ اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتی۔ جب تک اس کا جواب نہ حاصل کرے۔ اس سوال کے دنیا میں جو مختلف جوابات دیئے گئے باوجود کثرت تعداد صرف تین اقسام کے ذیل میں داخل ہیں۔ ایک

گروہ کہتا ہے کہ انسان اور کل عالم کو پیدا کرنے والی ایک ایسی تنہا ذات ہے، جو دانا بینا علیم و حکیم ہے۔ اس نے اپنے ارادے اور اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پیدا کیا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ انسان اور عالم کو پیدا کرنے والی کوئی تنہا ذات نہیں ہے۔ بلکہ متعدد قدرت و طاقت رکھنے والی ذی ارادہ ہستیاں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کو موجودات کے وجود میں دخل ہے۔ تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ انسان و دیگر موجودات کا وجود کسی ذی ارادہ ہستی کا مرہون منت نہیں ہے۔ بلکہ چند غیر ذی شعور و غیر ذی ارادہ قوتوں کے غیر شعوری تعامل کا نتیجہ ہے یہ تین قسم کے جوابات ہیں۔ جو انسان کی اس فطری پیاس کو بجھانے کے لئے پیش کئے۔ ان کے تناقض اور تخالف کو دیکھنے کے بعد ہر شخص یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہے۔ کہ حق ان میں سے صرف ایک ہی ہو سکتا ہے وہ صحیح جواب کونسا ہے۔؟ یہی اصل مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ ہمارے نزدیک صرف پہلا جواب صحیح اور حق ہے۔ اور باقی جوابات غلط اور باطل ہیں۔ لیکن ہم اس موقعہ پر کسی فلسفیانہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ہمیں تو یہاں صرف فسادات عالم کا علاج دریافت کرنا اور امن و راحت کی کنجی حاصل کرنا ہے۔ اس لئے ہم یہ دیکھیں گے کہ ان تینوں اعتقادات میں وہ کون عقیدہ ہے۔ جسے ہم اپنے افکار کی روح بنا کر عروس امن و امان سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

عقیدۂ توحید اور امنِ عالم پہلے عقیدے کا مختصر عنوان توحید ہے۔ اس عقیدت کا پہلا اثر انسان میں احساس بندگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور انانیت و کبریائی کا طلسم ٹوٹ کر اپنی احتیاج اور عاجزی کی حقیقت جلی ہو کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اس روشن ادراک سے احساس برتری اور تحقیر ابنائے جنس کی تاریکی دل سے دور ہو کر تواضع و انکسار کے انوار سے قلب منور ہو جاتا ہے گویا توحید وہ تیشہ ہے۔ جو فتنہ و فساد کے شجر خبیث کی جڑوں کو کاٹ دیتا ہے اس لئے کہ عالم کے ننانوے فی صدی فسادات اور فتنوں کے شعلے استکبار و استعلاء کے چشمہ ہی سے بلند ہوتے ہیں۔ اگر دنیا میں تکبر اور اپنی بڑائی کا تصور وجود نہ ہو۔ اگر ہر انسان دوسرے انسان کو اور ہر قوم دوسری قوم کو انسانی حیثیت سے اپنے سے کمتر سمجھنے کے بجائے اپنے سے بہتر ورنہ کم از کم اپنے برابر سمجھے۔ اور اس کی انسانیت کی قدر و قیمت پہچانے تو امن و سلام کی روح پرور نسیم اس خارستان ارضی کو چمنستان سماوی کا نمونہ بنا دے۔ تکبر فساد کی جڑ ہے۔ ہٹلر کو فتح عالم کے لئے کس چیز نے آمادہ کیا تھا۔! برطانیہ اور امریکہ کو دوسروں کی آزادی کا گلا گھونٹنے پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے۔ وہ روسی سازشیں جنہوں نے آج دنیا کے ایک بڑے حصے کو جنگ و جدل کی بھٹی میں جھونک دیا ہے۔ ان کا سرا کہاں ہے؟ اگر غور کیجئے۔ تو ان سب کی تہ میں صرف احساس برتری اور تکبر کا زہریلا مادہ ملے گا۔ جس کا تریاق توحید ہے۔

حق اور ملکیت کا صحیح تصور امن و راحت کی کنجی ہے۔ اگر انسان ذاتی طور پر خود کو کسی چیز کا حق دار سمجھے۔ اور کسی شئے کو اپنی ذاتی ملکیت خیال کرے۔ تو فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت نہیں باقی رہتی ہے۔ عقیدہ توحید اس فتنہ پرداز شیطان کو بہت گہرائی میں دفن کر دیتا ہے۔ غور تو کیجئے۔ جو شخص محض اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق اور مالک سمجھتا ہے۔ وہ کبھی اس کا وہم بھی نہیں کر سکتا۔ کہ دنیا کی کوئی شئے اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ وہ تو خود اپنے جسم کی جان کو بھی اپنی ملکیت نہیں سمجھتا۔ اور کسی چیز کو تو کیا سمجھے گا۔ پھر اگر وہ کسی چیز کا حقیقی مالک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور جو جس کے پاس ہے۔ وہ حق تعالیٰ کا عطیہ اور نعمت ہے۔ تو اس کے لئے کسی ذاتی حق اور کسی چیز پر ذاتی ملکیت کے جتانے کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے؟ ذاتی حق اور ذاتی ملکیت کے احساسات غائب ہوئے۔ کہ فتنہ و فساد کے زہریلے درخت کی جڑیں کٹ گئیں۔ اور امن و سلام کے عطر بیز پھولوں سے مشام انسانیت معطر ہو گیا۔

عبرت کی باتیں

لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب (جہلم) علمی ذوق رکھنے والے اہل قلم ہیں۔ ان کے مضامین بُرہان، ہمدرد، وغیرہ علمی رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ معارف اعظم گڑھ کے شمارہ ماہ مارچ ۵۸ء میں لندن کے بعض تجربات کے عنوان سے اُن کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا لندن کا سفر کیا تھا۔ وہاں جو کچھ دیکھا اُس کو قلمبند کر کے شائع کیا ہے۔ اس طویل مضمون کا ایک اقتباس قارئین کرام کے سامنے عبرت اندوزی کے خیال سے پیش کیا جاتا ہے۔

"یہاں کی نائٹ لائف ابھی تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے اس پہلو پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ دن کے وقت تمام دُنیا مصروف نظر آتی ہے۔ بے کار کوئی نظر نہیں آتا۔ یہاں عورت کی زندگی دیکھ کر مجھے بڑا ترس آتا ہے۔ چند عورتوں سے ملاقات ہے جب ان سے اس بارے میں کہتا ہوں۔ تو بیچاری رو پڑتی ہیں۔ اوّل اوّل تو خود مختاری حاصل کر کے وہ خوب گلچھرے اڑاتی ہیں۔ مگر جلد ہی تنگ آجاتی ہیں۔ دن بھر محنت کرتی ہیں۔ شام کو خود کھانا پکانا پڑتا ہے کمرے صاف کرنا پڑتے ہیں۔ کپڑے دھونا پڑتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ سوائے فحش پیشہ عورتوں کے کوئی بھی شریف عورت اس زندگی سے خوش نہیں۔ یہاں کے متعلق ایک بات جو ہم لوگ اکثر بھول جاتے ہیں یہ ہے۔ کہ گذشتہ دو جنگوں نے یہاں کے حالات دگرگوں کر دیئے ہیں۔ ایک تو خود ان کی اپنی نے ان کو تباہ کیا ہے۔ دوسرے جنگوں نے ان کے اخلاق کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم لوگ وہاں اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ دوسری جنگ عظیم کے وقت یہاں کی آبادی بے تحاشا بڑھی۔ اب پھر کم ہو گئی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں بھی یہی حال ہوا۔ جنگ کے زمانے میں جب دوسری قوموں کے لوگ اپنے مُلک میں آجائیں۔ اور اپنے باہر چلے جائیں۔ تو حرام کاری بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور پر جب امریکہ جیسی امیر قوم کے ملک میں چلی جائے تو روپیہ پانی کی طرح بہا دیتی ہے۔ جنگ زندگی کو غیر یقینی بنا دیتی ہے۔ خصوصاً جب موت اس قدر قریب ہو جس طرح یہاں تھی تو ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگ عیش پسند ہو جاتے ہیں اور پھر جب روپیہ کی فراوانی ہو جائے تو بدکاریوں کے لئے زمین اور بھی زرخیز ہو جاتی ہے۔ "بابدہ عیش کوش" کا مسلک صلائے عام ہو جاتا ہے۔ مرد اور عورت کا اختلاط اور بڑھ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ معلوم ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اور اس کے عین بعد یہاں ۴۵ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ اور ۳۵ ہزار نے خرچ دے کر پیچھا چھڑایا۔ (بحوالہ ٹریڈ گولڈ) پھر جب عورت کو مالی خود مختاری دیدی جائے جیسا کہ یہاں ہے کہ وہ خود کماتی ہے۔ اور خود کماتی ہے۔ خصوصاً جب ان کو تنخواہ زیادہ دی جاتی ہے۔ تو حالات اور بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ عورتیں اکثر دکانوں میں سیلز گرل کا کام کرتی ہیں۔ گاڑیوں میں ٹکٹ بیچتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور جب روپیہ عام ہو۔ نہ کوئی اخلاقی پابندی ہو۔ اور نہ ذمہ داری۔ تو کون عیاشی نہیں کریگا۔ مگر یہ کہنا کہ یہاں کے لوگ ان حالات کو نہیں سمجھتے۔ یا ان کو سدھارنے کی فکر نہیں کرتے سراسر غلط ہے۔ بلکہ یہ لوگ ان حالات کے متعلق فکر مند ہیں۔ اخباروں میں یہ چیز عام دیکھنے میں آتی ہے۔"

اس اقتباس سے اُن پاکستانیوں کی آنکھیں کھلنی چاہئیں جو عقل و شرع کے فیصلے سے آنکھیں بند کئے ہوئے فرنگی تہذیب کی نقالی کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس مُلک میں مسلمان عورتوں کو

حرم عصمت سے نکال کر "چراغِ خانہ" کی بجائے "شمع انجمن" بنانے کو تہذیب و تمدن اور ترقی سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ غلط خیال ہے کہ شاید عورت کو کوچہ و بازار میں لاکر "مردوں کے دوش بہ دوش" کھڑی کرکے وُہ ملک و قوم کی کوئی خدمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ عورت پر بھی ظلم ہے۔ اس کی فطرت کو مسخ کرنا ہے۔ اور قوم کی غیرت و حمیت، اور عزت و ناموس کو لٹانا اور تباہ و برباد کر دینا بھی ہے۔ (مرتب)

رُوس اور اسلام

معاصر الجمعیۃ دہلی کا شذرہ ہے:۔

"واقعی یہ حیرت انگیز بات ہے۔ اور اس کی گہری ریسرچ ہونی چاہئے۔ کہ رُوس ایک طرف تو عرب ممالک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ دُوسری طرف اس نے اسلام پر حملوں کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ موقع پرست قومیں جب کسی ملک کی حمایت کرتی ہیں تو وُہ بہت احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتی ہیں۔ یہاں کہ اس کے کلچر پر حملہ کرنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ لیکن رُوس جہاں سیاسیات میں عرب ممالک کا ساتھ دیتا ہے۔ وہاں اس کے ریڈیو اسلام پر حملہ کرنے سے کبھی نہیں چُوکتے۔

حال میں رُوس نے اپنی نشریات کے ذریعہ اسلام پر جو بے سروپا حملے کئے ہیں اس پر ملایا کے اخبارات نے بہت سخت احتجاج کیا ہے۔ ملایا کے ایک اخبار نے لکھا ہے۔ کہ کمیونسٹوں نے دلیری کے ساتھ اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ کر بتا دیا ہے۔ کہ وُہ اسلام کے حقیقی دشمن ہیں۔ اخبار نے مزید لکھا ہے کہ اسلام پر روس کے حملے مسلمانوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ ایسے حملے نہ صرف اخباروں، کتابوں، اور تقریروں کے ذریعہ ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ ہتھیاروں کے ذریعہ بھی اسلام کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ملائی اخبار نے لکھا ہے۔ کہ وُہ اسلام پر حملوں کا جواب دینا نہیں چاہتا کیونکہ مسلم دانشور پہلے ہی ان کا جواب دے کر فارغ ہو چکے ہیں

ہے۔ اُسے کوئی بھی "امریکہ و برطانیہ کا ایجنٹ" کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ روس کے معاملہ میں اس کا قلم عموماً محتاط بھی ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگا دیجئے۔ کہ روس میں اسلام کی کیا حالت ہے! (مرتب)

داشتاؤں کا ملک

معاصر نوائے وقت لاہور میں اس کے نمائندہ خصوصی مقیم چین کی طرف سے مکتوب ہانگ کانگ شائع ہوا ہے جس میں ہانگ کانگ کی معاشرتی اور سماجی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہانگ کانگ برطانیہ کی نوآبادی ہے۔ اور اس کا رقبہ صرف ۳۹۲ مربع میل ہے۔ آبادی تیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ لیکن اس میں بیس لاکھ سے زیادہ عورتیں ہیں۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ ہانگ کانگ کے قانون کے مطابق ایک مرد صرف ایک عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ دو یا تین عورتیں سے شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن ساتھ ہی مرد کو اس بات کی آزادی ہے کہ وُہ جتنی عورتیں چاہے خانگی یا داشتہ کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ مکتوب نگار نے لکھا ہے۔ کہ وہاں پر کسی مرد کو حاصل کرنا عورتوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ برطانیہ میں سالانہ تیس ہزار طلاقیں ہوتی ہیں۔ مگر ہانگ کانگ میں طلاق نہیں ہوتی۔ بلکہ زبردستی شادیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک عورت کسی مرد کے ساتھ شب باشی کرتی ہے۔ مگر صبح ہوتے ہی وُہ پولیس کو اطلاع دیتی ہے۔ کہ مرد نے زبردستی اس کے ساتھ بداخلاقی کی ہے۔ اگر وُہ مجھ سے شادی کرے تو اسے معافی مل سکتی ہے ورنہ وُہ جیل کی ہوا کھائے۔ اور شادی نہ کرنے کی سزا بھگتے ـــــ ہمیں یہاں کہنا یہ ہے کہ ہانگ کانگ میں ایک مرد، دو عورتوں سے تو شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر چاہے تو درجنوں کو داشتہ اور خانگی کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ یہ وحدۃ ازدواجی یا یک زوجیت کیسی شریفانہ ہے۔ دو عورتوں سے شادی کرنا جرم مگر شادی کے بغیر درجنوں سے حرام کاری کرنا بالکل جائز اور عین تہذیب و شرافت!

یہ تبصرہ الجمعیۃ کا ہے۔ جو جمعیۃ علمائے ہند کا ترجمانِ خصوصی

علم حدیث

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی

(۶)

انبیاء و رسل کی بعثت کی غرض قرآن پاک نے کتاب الٰہی کا لوگوں تک پہنچا دینا کہیں ذکر نہیں کیا جس سے ایک ادنیٰ فہم والا انسان یہ باطل تصور اور یہ غلط خیال جما سکتا تھا کہ نبی قاصد محض خدا اور بنی آدم کے درمیان ہوا کرتا ہے۔

انبیاء کے بعثت کی سب سے پہلی غرض و غایت قرآن پاک نے اس روز الست کے بھولے ہوئے عہد کی یاد دہانی بتائی۔ اس کے بعد رسول کی ایک غرض یہ بھی بتائی گئی ہے۔ کہ ان کا وجود بنی آدم پر اتمام حجت ہو۔ ممکن ہے۔ کہ آدمؑ کے فرزند بجا عذر کریں۔ کہ ہم کو کوئی یاد دلانے والا نہیں آیا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۔ رسول خوشخبری سنانے والے والے، ڈرانے والے ہیں۔ تاکہ رسولوںؑ کی آمد کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

"تذکیر" کے بعد نبی کا فرض اولین "ہدایت و رہنمائی" ہے۔ کیونکہ انبیاء و رسل حقیقت میں [illegible] کی [illegible] کے مظہر اور [illegible] ہیں۔ اسی لیے ایک آیت میں نبی اور رسول کے لیے "ہادی" کا لفظ آیا ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا آیا۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ یقیناً آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔

سورۂ انبیاء میں بہت سے پیغمبروں کے ذکر کے بعد ہے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ۔ اور ہم نے ان پیغمبروں کو پیشوا بنایا۔ جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے ہیں۔

اس طرح ان آسمانی کتابوں کو جو لوگوں کو دی گئی تھیں، بار بار "ہدیٰ" "ہدایت" کہا گیا ہے۔ اور کہیں ان کو ضیاء، نور اور روشنی کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ پس انبیاء کے ہادی ہونے کو لازم اور ضروری ہے۔ کہ ان کی ہدایت کی اتباع و پیروی کی جائے اور یہ بلا اطاعت اقوال و افعال اور احوال ممکن نہیں۔ پس جب قرآن نے صحیفۂ ربانی کو بھی ہادی فرمایا۔ اور انبیاء اور نبی کریم کو بھی ہادی فرمایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حصول ہدایت کے لیے دونوں کا اتباع ضروری اور لازمی ہے۔ بلکہ قرآن نے نبی کے اتباع و اطاعت کو عین خدا کا اتباع اور خدا کی اطاعت قرار دیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ اگر تم حق تعالےٰ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو

اس آیت میں فَاتَّبِعُوا الْقُرْاٰنَ نہیں فرمایا بلکہ حضورؐ کے اتباع کا حکم فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کا اتباع قرآن سے زائد امور میں بھی امت پر لازم ہے۔ اور اتباع اقوال میں ہوتا ہے۔ اور افعال میں بھی۔ اور اسی مجموعہ کا نام حدیث و سنت ہے۔ اور جگہ تو بالکل صریح اور صاف طور پر فرما دیا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ جو رسول کی اطاعت کرے۔ اس نے خدا کی اطاعت کی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ :۔ جس نے میری اطاعت کی۔ اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ الحاصل

انبیاء کی ہدایت اور رہنمائی سے استفادہ کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ ان کی کماحقہٗ اطاعت و پیروی ہے۔ دوسرا مفہوم اس پیروی کا یہ ہے۔ کہ وہ بندگانِ الٰہی کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی میں لاتے ہیں۔ انسان جن فاسد خیالات بیہودہ افکار بے سود اعمال کی تاریکیوں میں پھنس کر فطری بصیرت اور روحانی معرفت کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ انبیاء ان اندھوں کے ہاتھ پکڑ کر ان کو ظلمات سے نور میں لاتے ہیں۔ ان کو شک کی جگہ یقین، جہل کی جگہ علم، باطل کی جگہ حق، ظلمت کی جگہ نور عطا کرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث یہ ہے۔ کہ احادیث و سنت و اقوال و افعال اور احکام رسول اللہ صلعم کا واجب الاتباع ہونا اس بنا پر ہے کہ قرآن نے ہر نبی کے اتباع کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور یہ خاصہ لازمۂ نبوت سے ہے۔ پھر بہت سے مقامات پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت اور اتباع کا خصوصیت سے حکم دیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ اتباع و اطاعت کا حکم حاکم اور امام ہونے کے باعث ہے۔ نبوت و رسالت کے باعث نہیں۔ اس لیے عقل باور نہیں کر سکتی۔ کہ اکثر مقامات پر اس حکم کو منصب رسالت پر منطبق کیا گیا ہے۔ جو صاف بتلاتا ہے۔ کہ علت حکم نبوت و رسالت ہے۔ نہ کہ حکومت و امامت۔ نیز قرآن نے ہر رسول کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے اور حاکم ہونے کے متعلق صرف سلیمانؑ اور داؤدؑ ہیں۔ اور کسی توجیہ سے یوسفؑ و موسیٰؑ کو بھی شامل کر لیجئے۔ بقیہ انبیاء کو تو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام مکہ میں اطاعت واجب نہ تھی۔ پھر نیز قرآن نے حاکم کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے بعد ایک مستقل اور اطاعت رسول سے ایک جدا اور مستقل فرد قرار دیا ہے (اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم)۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ

قرآن مجید مجمل ہے۔ احادیث موضح ہیں۔ یعنی قرآن کے احکام فرض عمل کی کیفیات، ان کے اسباب، ان کے شروط، اللہ ان کے موانع کے لحاظ سے مجمل ہیں۔ اور احادیث میں ان کی توضیح ہے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کی تشریح قرآن مجید ہی کی توضیح ہے۔ قرآن پاک اور احادیث دونوں پر جن کی عمیق و وسیع نظر ہے ان کو برملا یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ کے تمام فرعی جزئیات و احکام قرآن پاک کے عمومی اور کلی احکام کے تحت مندرج ہیں۔ آنحضرت صلعم نے اپنے الفاظ میں صرف ان کی تشریح فرمائی ہے اور یہ تشریح ارادتِ الٰہی اور نور بصیرت اور ملکۂ نبوت وغیرہ خصوصیات کے باعث ہے۔ اس لیے واجب الاتباع ہے۔

اس قسم کی حدیثوں کی عموماً تین شکلیں ہیں۔ ایک وہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں حکم بیان فرمانے کے بعد خود قرآن پاک کی کوئی آیت اس کے ساتھ پڑھ دی۔ اس امر اور اس کی نوعیت میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ دوسری شکل یہ ہے۔ کہ آیت تو آپ نے نہیں پڑھی۔ مگر خود اس حکم میں ایک دو لفظ ایسے فرما دیئے ہیں۔ جو کسی آیت کا جزء ہیں۔ جس سے یہ اشارہ ہوتا ہے۔ کہ یہ حکم فلاں آیت کی تشریح ہے۔ اس صورت میں بھی اصل و فرع کی تمیز اہل علم کے لیے آسان ہے۔ تیسری شکل یہ ہے۔ کہ آپ نے کسی آیت یا اشارہ کے بغیر حکم فرما دیا۔ اس قسم کی حدیثوں کے ماخذ کی تلاش دقت نظر کا کام ہے۔ ان کا پتہ زبان نبوت اور فہم رسالت کے طرز و اسلوب کے سمجھنے والے راسخین فی العلم ہی پا سکتے ہیں۔

انسانی الفاظ میں یہ قدرت نہیں۔ کہ ان کے ذریعہ سے کوئی ایسا قانون وضع کیا جا سکے۔ جو ایک طرف اختلاف فہم سے محفوظ رہے۔ اور دوسری طرف اس میں یہ وسعت ہو۔ کہ تمام آئندہ پیش آنے والے واقعات پر جن کے جزئیات کی کوئی حد نہیں پوری طرح حاوی ہو۔ لیکن فہم انسانی کے اختلاف کے جو نقائص قانون میں ہوتے ہیں۔ گو ان کو تمام تر دور نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان کو کم کیا جا سکتا ہے۔

حسرت

جناب سیّد عبدالرب صاحب صوفی ایم اے نے حج سے واپس آ کر ایک نہایت دردمندانہ نظم لکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو کبھی عزمِ حج کی توفیق دے خاص طور سے اُن کے لئے یہ نظم انشاءاللہ بہت ہی مفید ہوگی نیز جو حضرات حج کی نعمت سے سرفراز ہو چکے ہیں وُہ بھی اس کے ذریعہ اپنے اندر حسرت کے جذبات پیدا کر کے انشاءاللہ تعالیٰ بڑی دولتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ (مرتب)

گیا حج کر کے لوٹ آیا تو اب حسرت یہ ہے طاری
کہ پہلے سے نہ کی افسوس حج کرنے کی تیّاری

حرم سطحِ زمین پر مرکزِ عشق و محبّت ہے
جسے کہتے ہیں صحرائے عرب بحرِ حقیقت ہے

جسے کہتے ہیں حاجی غیرتِ صد قیس ہوتا ہے
پکڑ کر دامنِ لیلائے کعبہ خوب روتا ہے

نہ جانے سحر کیا کرتی ہے یہ کالی ردا والی
کہ لاکھوں قیس آ کر چومتے ہیں عتبۂ عالی

نہ سیریں ہیں نہ تفریحیں، تجارت ہے نہ میلے ہیں
مگر اس دشت میں یہ جذب و مستی ہے یہ ریلے ہیں

اگر فولاد کے کانٹے بچھائے جائیں صحرا میں
بجائے موج زنجیریں اگر تن جائیں دریا میں

تو ابراہیم نے جن خوش نصیبوں کو پکارا تھا
پکارا کیا، جنونِ عشق کا اک نقش ابھارا تھا

وُہ مجنونِ محبّت وُہ سراپا عشق دیوانے
چلے آئیں گے کانٹے توڑنے زنجیر کھڑکانے

یہ دیوانے اگر پہلے سے کچھ ہشیار ہو جاتے
حرم میں بن کے محرم صاحبِ اسرار ہو جاتے

جسے کہتے ہیں بطحا منزلِ عشقِ الٰہی ہے۔
یہاں شاہی فقیری ہے، فقیری رشکِ شاہی ہے

کفن پہنے پریشاں حال وہ ژولیدہ مو راہی
چلا آتا ہے آنکھیں پونچھتا سرمستِ جاں کا ہی

یہ جان کا ہی حقیقت میں حیاتِ جاودانی ہے
وگرنہ گوشت، ہڈی، کھال۔ مٹی، خون پانی ہے

فضاؤں میں یہیں کی عشق کا پودا پھپکتا ہے
ہوا یہ کھا کے گلزارِ دلِ مومن لہکتا ہے

منوّر کر کے قندیلِ حرم سے اپنے سینے کو
چلا جاتا ہے ہنستا کھیلتا حاجی مدینے کو

ملائک راہ میں پیروں کے نیچے پر بچھاتے ہیں
زہے عشّاق جو محبوب کی گلیوں میں جاتے ہیں

یہ وہ دربار ہے روح الامین دربان ہیں جس کے
سمجھ میں کاش آجاتے یہ رتبے اُن کی مجلس کے

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

یہیں جاں دادگانِ عشق کی بزمِ حسیناں ہے،
اُحد کا دامنِ زرّیں مگس رانِ شہیداں ہے

اگر کانِ شہادت کی طرف ہم کان دیتے ہیں
تو یہ معلوم ہوتا ہے صحابہؓ سانس لیتے ہیں

نبیؐ کے نطق کی حامل مدینہ کی ہوائیں ہیں
یہاں گونجی ہوئی اب تک صحابہؓ کی صدائیں ہیں

فضا خاموش ہو جاتی ہے جب تاروں کی چھاؤں میں
تو ہنگامِ تہجد کی سکوت افزا فضاؤں میں

نبی کا نطق دل میں نورِ سینہ بن کے آتا ہے
صحابہؓ کا تکلم اک سکینہ بن کے آتا ہے

یہاں کا ذرّہ ذرّہ کھینچتا ہے دل کے دامن کو
کہ او طائر کہاں؟ اب چھوڑ کر اپنے نشیمن کو

کہیں ایسا نہ ہو مر کر کہیں برباد ہو جائیں
چلو طیبہ چلیں صوفی وہیں آباد ہو جائیں

کتاب بہترین رفیق ہے!

- پیام حق : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی کی آخری معرکۃ الآرا تقریر مذہب شیعہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت -/۸/-
- تفسیر آیت مباہلہ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم کی صحیح تفسیر اور شیعوں کے مغالطہ کا ازالہ " -/۱۲/-
- تفسیر آیت وارثین الارض: مصنفہ ایضاً آیت ولقد کتبنا فی الزبور الخ خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت " -/۱۲/-
- تفسیر آیت اولی الامر منکم: مصنفہ ایضاً اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مغالطہ کا جواب " -/۱۲/-
- تفسیر آیت معیت:- مصنفہ ایضاً تفسیر آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الخ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ " -/۱۲/-
- تفسیر آیت تمکین، مصنفہ ایضاً تفسیر آیت الذین مکنا ھم فی الارض۔ جس سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ حضور صلعم کے مہاجرین کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت ہے۔ ان میں سے ہر ایک امامت وخلافت کی قابلیت رکھتا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول تھے۔ قیمت -/۱۲/-
- تفسیر آیت رضوان، مصنفہ ایضاً آیت لقد رضی اللہ عن المومنین کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ جنتی ہیں۔ اور خدا نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ قیمت -/۱۲/-
- تفسیر آیت مودۃ القربیٰ، مصنفہ ایضاً تفسیر آیت قل لا اسئلکم علیہ اجراً کی صحیح تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالہ سے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہتے ہیں۔ یہ قرآن کی معنوی تحریف اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سخت حملہ ہے۔ قیمت -/۱۰/-
- ابوالائمہ کی تعلیم :- مصنفہ ایضاً جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ کوئی شخص محب حضرت علی اور پیرو کار اہل بیت نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مذہب حق اہلسنت والجماعت اختیار نہ کرے۔ قیمت -/۸/-
- کشف البلیس حصہ دوم :- جس میں فضائل صحابہ اور دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ قیمت -/۸/-
- تحقیق فدک : مصنفہ مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری انبالوی۔ نہایت بہترین قابل دید کتاب ہے۔ قیمت -/۲/-
- تحفہ قادیان : قیمت ۸ آنے

ملنے کا پتہ

مکتبہ حزب الانصار و منیجر شمس الاسلام ڈاکخانہ شمس الاسلام بھیرہ